ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۸۴
جلد: **۳۳** ، شمارہ: **۱۲**

صفر-ربیع الاول ۱۴۳۷ھ = دسمبر ۲۰۱۵ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا عبدالمتین مدنی	۶
۴-امہات المؤمنین کے فضائل...	مولانا اسعد اعظمی	۱۱
۵-اولیاء اوران کے کرامات.....	مولانا محمد ایوب سلفی	۱۶
۶-نماز استخارہ ایک متروک سنت	عبدالولی عبدالقوی	۲۳
۷-اسلامی نظام اورامن و.....	عبدالرحیم محمد یونس بنارسی	۲۸
۸-ڈاکٹر تقی الدین ہلالی اور.....	عبدالغفار سلفی	۳۴
۹-علامہ ثناء اللہ امرتسری کی.....	محمد مشتاق بن عبدالمنان	۳۸
۱۰-اشاعت اسلام میں میڈیا.....	محمد نثار بن محمد یاسین	۴۲
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۳-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۶

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

بروز قیامت فیصلہ کے بعد لوگ جہنم یا جنت تک پہنچائے جائیں گے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَراً حَتَّى إِذَا جَاؤُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاء يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَى وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ، قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾. (سورہ زمر:۷۱-۷۲)

(فیصلہ ہونے کے بعد) وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے، جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے؟ جنہوں نے تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنائی ہوں اور تمہیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت تمہیں یہ دن بھی دیکھنا ہوگا وہ جواب دیں گے ''ہاں'' آئے تھے، مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پر ثابت ہو گیا۔ کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔

اللہ بچائے، اس جہنم سے جو گنہگاروں کا ٹھکانا ہوگا۔

اللہ تعالی نے قیامت کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد انجام سے بھی باخبر کر دیا۔ بروز قیامت سب کو ان کے اعمال پیش کر دیئے جائیں گے۔ انصاف کا ترازو رکھا جائے گا، نیکی و بدی تولی جائے گی، شہادتیں اور گواہ بھی پیش ہوں گے پھر انسان کا ان کے اعمال کے حساب سے جہنم یا جنت کا فیصلہ ہوگا۔ اور اللہ کے متعین کردہ فرشتے سب کو گروہ در گروہ ہانکتے ہوئے جہنمیوں کو جہنم اور نیک لوگوں کو جنت کی طرف لے جائیں گے جس کا ذکر سورہ زمر کی ان آیتوں میں موجود ہے۔

قیامت کے دن فیصلہ کے بعد لوگوں کے ساتھ ان کی دنیاوی زندگی کے اعمال کے اعتبار سے برتاؤ ہوگا۔ ظالم اور سرکش لوگ گھسیٹ کر جہنم پہنچائے جائیں گے۔ کمزور وضعیف مگر نیک لوگوں کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ ہوگا۔ جنت کے دروازوں پر ان کا استقبال ہوگا۔ جنت یا جہنم انسان کا آخری مقر وٹھکانا ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ رب العالمین نے انسان کو اپنے رسولوں کے ذریعہ بتلا دیا ہے کہ انسان کو دنیا میں کیسے رہنا ہے۔ کون سے اعمال جہنم میں لے جانے والے ہیں اور کن اعمال کے کرنے سے جنت کا مستحق ہوگا۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ اپنا انجام ہونا چاہیے۔ اللہ تعالی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ بغیر اس کے فضل وکرم کے ہم جنت کے مستحق نہیں بن سکتے۔ اے اللہ ہمیں ایسے کاموں کی توفیق عطا فرما جو ہمیں جنت کا مستحق بنا دے، آمین۔

☆☆☆

درس حدیث

عمل صالح کا میزان

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (صحیح البخاری:۲۶۹۷، صحیح مسلم ح:۱۷۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جس کا تعلق اس دین وشریعت سے نہیں تو وہ کام مردود وباطل ہے۔

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس دنیا میں اللہ نے اسے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، فرمان باری تعالی ہے: ﴿وما خلقت الجن والانس إلا ليعبدون﴾ (الذاریات:۵۶) میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اللہ تعالی اس عبادت کو قبول فرماتا ہے جسے اخلاص کے ساتھ ادا کیا جائے، اللہ نے فرمایا: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ (البینۃ:۵) انھیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی بندگی اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے کریں۔

عمل کی قبولیت کے لیے اخلاص کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عمل اللہ کے رسول ﷺ کی سنت وطریقہ کے مطابق ہو۔ سورہ کہف میں ارشاد باری ہے: ﴿فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه أحدا﴾ (الکہف:۱۱۰) جسے اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

حافظ صلاح الدین یوسف رقمطراز ہیں: عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت کے مطابق کرے، اور دوسرے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس لیے بدعت اور شرک دونوں ہی ضیاع اعمال کا سبب ہیں۔ (قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر صفحہ ۸۳۲)

اگر ایک مسلمان نیکی کا کوئی کام اخلاص کے ساتھ ادا تو کرتا ہو لیکن اس کا یہ عمل اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق نہ ہو تب بھی وہ قبول نہ کیا جائے گا، فرمان باری تعالی ہے: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله﴾ (النساء:۶۴) ہم نے ہر رسول کو صرف اس مقصد سے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت وپیروی کی جائے۔ اسی لیے آپ نے عبادتوں کے طریقے تفصیل کے ساتھ صحابہ کرام کو بتلائے اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ جس طرح مجھے عبادت کرتے ہوئے تم نے دیکھا اس طرح تم اسے انجام دو اور مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے۔

اس حدیث کو دین کی اصل عظیم اور اعمال کی صحت کا ظاہری میزان قرار دیا گیا ہے کہ ایا اس کے ظاہری اعمال اللہ کے رسول ﷺ کی سنت وطریقہ یا کسی اصل شرعی کے مطابق ہیں یا نہیں؟ جس طرح حدیث عمر "إنما الأعمال بالنيات" (بخاری:۱) (بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) کو اعمال کی صحت کا باطنی میزان بتلایا گیا ہے کہ وہ اعمال خیر کو اخلاص نیت کے ساتھ انجام دیتا ہے یا نہیں؟

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں: هذا الحديث معدود من أصول الإسلام وقاعدة من قواعده فإن من اخترع في الدين ما لم يشهد له أصل من أصوله فلا يلتفت إليه. (فتح الباری:۳۰۲/۵)

اس حدیث کو اسلام کے اصول وقواعد میں ایک اہم اصل وقاعدہ شمار کیا گیا ہے، اس لیے کہ جو شخص دین کے اندر کوئی ایسا کام ایجاد کرتا ہے جس کی تائید کسی دلیل شرعی سے نہیں ہوتی تو اس کی (دین کے اندر) کوئی حیثیت نہیں، اس لیے ایسے اعمال جن کو اخلاص نیت کے ساتھ، بغرض ثواب انجام دیا جائے لیکن اس کی کوئی اصل اور دلیل کتاب وسنت اور اجماع سے نہ ملے اسے بزبان شریعت بدعت کہا جائے گا، فرمان نبوی ہے: "كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة" (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حافظ ابن رجب تحریر فرماتے ہیں: والمراد بالبدعة ما أحدث ما لا أصل له في الشريعة يدل عليه، فأما ما كان له أصل في الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا وان كان بدعة لغة. (جامع العلوم والحکم، ص:۳۲۳)

بدعت سے مراد وہ نیا کام جس کے دین ہونے کی کوئی دلیل شریعت میں موجود نہ ہو لیکن جس کے دین ہونے کی دلیل شریعت میں موجود ہے تو وہ کام شرعا بدعت نہ ہوگا اگر لغت کے اعتبار سے اسے بدعت کہا جائے۔ اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: البدعة ما خالفت الكتاب والسنة واجماع سلف الأمة من الاعتقادات والعبادات. (مجموع الفتاوی:۳۴۶/۱۸) ایسے عقائد وعبادتیں جو کتاب وسنت سلف امت کے اجماع کے خلاف ہوا سے بدعت کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارتیں جو شرعی دلائل کا حاصل وخلاصہ ہیں ان کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص اخلاص نیت کے ساتھ بغرض ثواب کوئی عمل کرے اور وہ عمل اللہ کے رسول کی سنت وطریقہ کے مطابق نہ ہو اور نہ ہی اس کے صحیح ہونے کی کوئی عام یا خاص شرعی دلیل موجود ہو تو اس کا وہ عمل حسن نیت کے باوجود باعث اجر وثواب نہ ہوگا بلکہ اسے بدعت قرار دیا جائے گا، یہ مردود وباطل اور اس کا کرنے والا گناہ گار ہوگا اور یہ گناہ دیگر معاصی کے مقابلہ میں بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے کہ معصیت کرنے والا معصیت کے کام کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر نہیں کرتا جبکہ بدعت کا مرتکب بدعت کے کام کو دین اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر کرتا ہے۔ اس لیے سلف نے بدعتوں کو عام معاصی سے بڑھ کر معصیت قرار دیا ہے۔

علامہ ابن عثیمین لکھتے ہیں: لا يفيد الإنسان أن يعبد الله بالعاطفة بدون أصل شرعي يرجع إليه

لأن ذلك اتباع لهوى، فللشرع حدود معينة مضبوطة من كل وجه حتى لا يتفرق الناس فيها شيعا. (مجموع الفتاوی والرسائل: ۲۶۳/۵) کسی انسان کا بغیر کسی دلیل شرعی کے صرف نیک جذبات سے اللہ کی عبادت کرنا اس کے کام نہیں آئے گا، یہ تو خواہشات نفس کی پیروی ہوگی، اس لیے کہ احکام شریعت کے حدود ہر طرف سے متعین ہیں تا کہ لوگ اختلاف کا شکار ہو کر جماعتوں میں نہ بٹ جائیں۔

علمائے اسلام کے نزدیک یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ عبادات میں اصل منع ہے، کوئی بھی عبادت بغیر کسی دلیل شرعی کے نہیں کی جاسکتی، قرآن کریم نے مشرکین کی اس بات پر نکیر فرمائی ہے: ﴿أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله﴾ (الشوری:۲۱) کیا انھوں نے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنھوں نے دین کے اندر ایسے کاموں کو رائج کر دیا جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔

اب اگر کوئی شخص کوئی عمل عبادت اور نیکی سمجھ کر کرتا ہو تو اسے اس بات کی شرعی دلیل پیش کرنی ہوگی کہ اس کا یہ عمل عبادت ہے، ورنہ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں اس کا یہ عمل مردود ہوگا، اور وہ ثواب کے بجائے الٹا گناہ گار ہوگا۔

آج کتنے ایسے اعمال ہیں جن کو مسلمان دین سمجھ کر انجام دیتے ہیں، حالانکہ ان کی کوئی اصل و دلیل اللہ کی شریعت میں نہیں ملتی، وہ اپنے ان اعمال کے بارے میں بروز قیامت کیا جواب دیں گے؟ شافع روز محشر فداہ ابی وامی کا سامنا کس منہ سے کریں گے؟ کیا رسول کے امتی ہونے کا مطلب یہی ہے کہ صرف محبت کا دم بھرا جائے اور پھر اس محبت کو ثابت کرنے کے لیے آپ کے نقش پا کو چھوڑ کر اغیار کی پیروی کی جائے؟ کیا یہی سچی محبت ہے؟ کیا یہی نجات کا راستہ ہے؟ کیا یہی صحابہ و تابعین کا طریقہ ہے؟ ہرگز نہیں، میرے کلمہ گو بھائی ہرگز نہیں، یہ تو خواہشات نفس بلکہ شیطان کی پیروی ہے۔

فماذا بعد الحق إلا الضلال. (یونس:۳۲) حق کے سوا جو ہے وہ محض گمراہی ہے، اللہ اور رسول کے راستہ کے سوا جو راستہ ہے وہ شیطان کا راستہ ہے۔

اللہ کے بندو تعصب کو چھوڑو۔ آباء پرستی کو ترک کرو۔ حقیقت کو قبول کرنے اور اسے اپنانے کی ہمت اور حوصلہ پیدا کرو اور اس کے لیے اللہ سے توفیق بھی طلب کرو۔ یہ علم کی دنیا ہے، حقائق کا جاننا پہلے کے مقابلہ میں اب بہت آسان ہے، گمراہ کرنے والوں کے جبہ و دستار سے دھوکہ مت کھاؤ، جانوروں کے ریوڑ کی طرح سر جھکائے ان کے پیچھے مت چلو، آنکھوں کو کھولو، کانوں کو کھولو، دل کے دریچوں کو وا کرو، اللہ نے آپ کو عقل و شعور دیا ہے، اس سے کام لو، حقائق کو پہچانو، سیدھی راہ کو اختیار کرو، ورنہ سارے کام جن کو نیکی سمجھ کر عبادت سمجھ کر، اللہ کے نزدیک ثواب کی امید لگا کر کرتے ہو، وقت، محنت، مال سب صرف کرتے ہو، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ یہ گھاٹے کا سودا ہوگا، قیامت کے دن ہاتھ خالی کا خالی رہ جائے گا۔

☆☆☆

افتتاحیہ

ازدواجی زندگی
کیسے خوش گوار بنائیں؟

مولانا عبدالمتین مدنی

نکاح ایمان کی تکمیل اور جسم وجان کی راحت کا سامان ہے۔اسی لیے اسلام نے بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھنے والوں کو یہ حکم دیا کہ اب وہ شریک حیات لاکر حیات نو کا آغاز کریں اور اپنا گھر بسائیں۔اس خوبصورت، پر بہار، دیدہ زیب اور دلفریب دنیا سے خوب خوب بہرہ ور ہوں۔

﴿ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة﴾. (سورہ الروم:۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت وہمدردی قائم کردی۔

اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد حواء علیہا السلام کو پیدا فرما کر یہ پیغام دیا کہ دنیا کا کاروبار صرف مردوں سے نہیں چلے گا بلکہ عورتیں بھی ان کی سہیم وشریک ہوں گی۔اور حواء کو آدم (علیہا السلام) کی بائیں پسلی سے پیدا کر کے دونوں کے درمیان قربت بلکہ ایک کے لیے کو دوسرے کی محتاجگی کو بھی بتلا دیا کہ ایک کے بغیر دوسرا ادھورا ہے۔

وجود زن سے اس کائنات میں رنگ ونکہت ہی نہیں ہے بلکہ زندگی کا لطف وسرور اسی سے وابستہ ہے۔بیوی، محبت وہمدردی اور جانثاری کی پیکر ہوتی ہے۔سب سے اچھی مشیر اور سب سے معتمد راز دار ہوتی ہے۔شوہر سے سب سے زیادہ محبت کرنے والی اور اس پر جان نچھاور کرنے والی ہوتی ہے۔غم کا مداوا کرتی ہے۔اور حوصلوں کو جلا دیتی ہے، مال کی امین، گھر کی ملکہ اور عصمت وعفت کی محافظ ہے۔زندگی کی رعنائی وبانکپن اسی کے دم سے قائم ہے، دنیا کا حسن، لبوں پر مسکراہٹ، دلوں میں انگڑائی، حوصلے کو پرواز، زندگی کی چاہت اسی سے ملتی ہے، پھولوں کا تبسم اور چڑیوں کا چہچہانا اسی کے وجود سے اچھا لگتا ہے۔وہ اس دنیا کی نعمتوں میں سب سے اچھی اور بیش قیمت نعمت ہے، لیکن اس کے لیے جو اس کی قدر کرے۔اور اس کی قدر یہ ہے کہ اس کا شوہر اس کے لیے سب سے اچھا انسان ثابت ہو۔فرمان نبوی ہے: "خیرکم

خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي" (سنن ترمذی) تم میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے سب سے اچھا ہو اور میں تم سب میں اپنی بیویوں کے لیے سب سے اچھا ہوں۔

اس حدیث میں بیوی کو اہل سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ تعبیر بہت معنی خیز ہے۔ اس کے ذریعہ گھر کے اندر بیوی کی حیثیت واضح ہوجاتی ہے کہ اب وہ پرائی نہیں بلکہ اس گھر کی ایک فرد ہے۔ اس لیے اسے اس کا مقام اور اختیار دیا جائے، اس پر اعتماد کیا جائے، ضروری مشوروں میں شریک کیا جائے تاکہ اس گھر میں اسے اپنی اہمیت اور ذمہ داری کا احساس ہو اور اس کے دل میں شوہر کو اور شوہر کے دل میں اس کو ایسی جگہ ملے کہ دونوں دو قالب ایک جان ہوجائیں۔

شوہر حضرات کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ ازدواجی زندگی کو خوشگوار رکھنے کی اولین ذمہ داری ان کے ہی سر ہے اور شاید نکاح کے موقع پر خطبہ نکاح کا شوہر کے سامنے پڑھا جانا اور آیت کریمہ: ﴿واتقوا الله الذي تساء لون به والأرحام﴾ (سورہ نساء:) ''اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو'' کے ذریعہ سے ان کو مخاطب کرنے کی حکمت بھی یہی ہے۔

حدیث مذکور میں اللہ کے رسول ﷺ نے اس حقیقت کو بھی بیان فرمایا کہ وہ اس کائنات کے سب سے اچھے شوہر ہیں اور اس میں کچھ شک بھی نہیں، آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی کی تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، رسالت کے اس عظیم الشان منصب کے حامل ہونے کے باوجود ایک شوہر کی حیثیت سے آپ ﷺ اپنی بیویوں کے حقوق کو کس حسن وخوبی کے ساتھ ادا فرماتے تھے اس کے لیے ازواج مطہرات کی شہادتیں ملتی ہیں۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد باری باری ازواج مطہرات کے پاس جاتے تھے، ان کی خیریت دریافت کرتے اور ان سے دل جوئی کی باتیں کرتے۔ (صحیح مسلم)

آپ ﷺ ازواج مطہرات کے درمیان عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا فرماتے۔ اور اگر کبھی کوئی ایسا مطالبہ سامنے آتا جو عدل وانصاف کے خلاف ہوتا تو محبت کے ساتھ معذرت پیش کردیتے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی وفات کے بعد جب آپ کے عقد میں آئیں تو تین روز گذرنے کے بعد آپ ان سے رخصت ہونے لگے، وہ آپ کے کپڑے پکڑ کر روکنے لگیں کہ ابھی آپ مجھے کچھ اور دن عنایت فرمادیں، آپ نے ان سے کہا کہ میں اس لیے نہیں رخصت ہو رہا ہوں کہ تمہاری اہمیت میری نظر میں دوسری بیویوں سے کم ہے، بلکہ شرعی حکم یہی ہے کہ ورنہ اگر میں سات روز تمہارے پاس قیام کروں تو تمام ازواج کے پاس سات سات روز قیام کروں گا۔ (صحیح مسلم) اور ثیبہ (شادی شدہ) نئی نویلی ہونے کی وجہ سے جو تین روز میں نے تمہارے پاس قیام کیا یہ ایام تمہارے لیے اضافی نہیں رہ جائیں گے۔

یہی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کے شرائط سے جب بعض صحابہ ملول خاطر ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں جانور ذبح کرنے اور بال منڈانے کا حکم دیا تو انھوں نے تعمیل حکم میں تاخیر کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا جانور ذبح کیجئے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجئے۔ (الرحیق المختوم: ۴۶۷)

کتنے نازک موقع پر کتنا اہم یہ مشورہ تھا جو فہم وفراست کی مالک شریک حیات کی طرف سے دیا گیا اور شوہر نے بلا تردد اسے قبول کیا اور پھر صورت حال نے اس کی درستگی کو ثابت کیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ آپ ﷺ گھر کے اندر قیام کے دوران گھر کے چھوٹے موٹے کاموں کو کرتے رہتے ہیں، بعض کاموں میں گھر والوں کا بھی ہاتھ بٹاتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو مسجد میں تشریف لے جاتے۔ (صحیح بخاری)

یقیناً یہ عمل نہ صرف محبت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے بلکہ کاموں سے جلدی فراغت اور ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کا ذریعہ بھی ہے۔

عورتیں بھی اسی گوشت پوست سے بنی ہیں جس سے مرد بنا ہے لیکن جسمانی اعتبار سے وہ مردوں سے کمزور ہوتی ہیں۔ اس لیے گھر کے سارے کام کاج ان کے ہی حوالہ کر دیئے جائیں اور شوہر گھر کے اندر مہمان بن کر زندگی گذارے اور بیوی مزدورن کی طرح صبح سے رات تک اپنے آپ کو جوتتی رہے یہ کہاں کا انصاف ہے؟ وہ اپنے ماں باپ کے گھر سے اس لیے نہیں آئی کہ پیا کے گھر سب کی خدمت کرتے ہوئے اپنی زندگی گذار دے، اپنے سارے خواب اور ارمان کو سسرال کے آنگن میں دفن کر دے، گھر کے کاموں میں بیویوں کا ہاتھ بٹا دینا شوہر حضرات کے لیے ایک بہترین اور دل جیتنے والا ہنر ہے۔

آپ ﷺ کے تعلقات اپنی بیویوں کے ساتھ بہت ہی محبت آمیز تھے، یہاں تک کہ آپ ایک ساتھ ایک برتن میں غسل بھی فرمالیا کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں اور اللہ کے رسول ﷺ ایک ساتھ ایک برتن سے غسل جنابت کیا کرتے تھے۔ اس دوران ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکراتے بھی تھے۔ (متفق علیہ) میاں بیوی اس عمل کے لطف کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

خانہ نبوت میں بیویوں کو اپنی نجی زندگی گذارنے کی بھی آزادی حاصل تھی، اقارب بلکہ سہیلیاں تک ملنے جلنے آیا جایا کرتی تھیں اور انہیں پورا موقع دیا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میری سہیلیاں مجھ سے ملنے آیا

کرتیں۔اور اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھ کر چھپ جاتی تھیں۔آپ انہیں میرے پاس بھیج دیتے۔(صحیح مسلم) یعنی آپ خود ہٹ جاتے تاکہ وہ بے تکلفی کے ساتھ باتیں کریں۔

آپ ﷺ ان ازواج مطہرات کے تفریح نفس کا بھی پورا پورا خیال رکھتے۔آپ ﷺ راتوں کو ان سے گفتگو کیا کرتے بلکہ بسا اوقات ان کے ساتھ چہل قدمی بھی کرتے۔صحیح بخاری کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ رات کو حضرت عائشہ کے ساتھ ٹہلتے ہوئے باتیں کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ حالت اعتکاف میں تھے۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے آئیں۔واپس ہونے لگیں تو آپ ﷺ خود بھی ان کے ساتھ نکلے کہ انہیں گھر تک چھوڑ دیں۔(صحیح بخاری)

آپ ﷺ گھر کے اندر بیویوں کے ساتھ بردبار بھی تھے۔چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے اور امہات المومنین میں سے کسی نے کھانے کی کوئی چیز بطور تحفہ بھیجی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصہ آیا،انھوں نے ہاتھ مارا،کھانا گر گیا اور برتن ٹوٹ گیا،آپ ﷺ نے کھانے کو سمیٹ کر ٹوٹے ہوئے برتن میں رکھ دیا اور کہا کہ کھالو اور دوسرا برتن واپس کر دیا۔(صحیح بخاری)

کس قدر تحمل اور اعلی ظرفی کا یہ مظاہرہ ہے،غصہ کا جواب غصہ سے نہ دینا،بات بات پر گرفت نہ کرنا،بعض باتیں اگرچہ وہ مناسب نہ ہوں تب بھی انہیں انگیز کر لینا گھر کے نظام کو چلانے و میاں بیوی کے تعلقات کو بحال رکھنے کے لیے ضروری ہیں،ورنہ اگر دوربین لگا کر غلطیاں تلاش کی جائیں اور رائی کو پہاڑ بنایا جائے تو اس سے گھر کا سکون غارت ہو جائے گا اور ازدواجی زندگی کا لطف بھی جاتا رہے گا۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں،کچھ عرصہ کے بعد پھر آپ نے مقابلہ کیا۔اب آپ ﷺ آگے نکل گئے،آپ مسکرائے اور حضرت عائشہ سے کہا کہ یہ اس ہار کا بدلہ ہے۔(سنن ابوداود)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ گھر سے نکلیں،دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ چند حبشیوں کے ساتھ ہیں جو فن سپہ گری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔حضرت عائشہ اس کھیل کو دیکھنے کے لیے آپ کے آڑ میں کھڑی ہو گئیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔(صحیح بخاری)

ان دونوں واقعے سے اندازہ لگائیے کہ شوہر بیوی کا کس حد تک خیال رکھے اور اسے اپنے جائز شوق کو پورا کرنے کا

پورا موقع دے تاکہ وہ شوہر کے گھر کو اپنے لیے قید خانہ نہ جانے اور نہ ہی شوہر کو ایسی مورت جو انسانی احساس وشعور سے عاری ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنی بیویوں سے مذاق کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کی شوخیوں سے لطف اندوز بھی ہوتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مجھ سے ملنے کے لیے آئیں، اللہ کے رسول ﷺ ہمارے اور ان کے درمیان بیٹھ گئے، آپ کا ایک زانو مجھ پر اور دوسرا سودہ کے پیروں پر تھا، میں نے حریرہ بنایا اور سودہ سے کہا کہ نوش فرمائیے، انھوں نے کھانے سے انکار کیا، میں نے کہا کھائیں ورنہ میں آپ کے منہ میں پوت دوں گی۔ انھوں نے پھر نہیں کھایا، میں نے تھوڑا سا لے کر ان کے منہ پر پوت دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے سودہ کے پیر سے اپنا پیر ہٹا دیا کہ اب وہ بدلہ لے لیں، چنانچہ انھوں نے بھی تھوڑا سا میرے چہرہ پر پوت دیا اور اللہ کے رسول اس پر شوخی سے ہنس رہے تھے۔ (مسند ابویعلی)

ان واقعات سے اللہ کے رسول ﷺ کی ازدواجی زندگی کا اندازہ لگائیں کہ آپ کا اپنی بیویوں کے ساتھ کیسا تعامل تھا، محبت تھی، پیار تھا، ہنسی مذاق تھا، نفس کی ترویح وتفریح تھی، صبر وتحمل تھا، عدل وانصاف تھا، حسب ضرورت گھر کے کاموں کو بلا تکلف انجام دے دینا اور ہاتھ بٹانے کا جذبہ تھا۔

آپ ﷺ ان ازواج مطہرات کی عبادت وریاضت سے بھی غافل نہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اللہ کے رسول ﷺ رات کو نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے لیٹی رہتی تھیں۔ جب آپ ﷺ کو وتر کی نماز پڑھنی ہوتی تو مجھے جگا دیتے۔ (صحیح مسلم)

سردی کے موسم میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہونے والے تمام عزیزوں کو تہ دل سے ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ان سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد وہ اس زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنے طرز تعامل کو طے کریں گے تاکہ آب گینہ کی چمک دمک اور حسن ولطافت سدا بہار رہے۔ مرور ایام، گھریلو حالات یا شوہر کا مزاج اس پر خراش تک نہ آنے دے۔ بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير.

☆☆☆

امہات المؤمنین کے فضائل ومناقب
قرآنی آیات کی روشنی میں

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

اللہ رب العالمین نے جن وانس کی ہدایت ورہنمائی کے لیے انبیاء ورسل کی بعثت کا سلسلہ قائم فرمایا جو نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ ان انبیاء ورسل کا انتخاب براہ راست اللہ جل جلالہ علیم وخبیر کی جانب سے ہوتا ہے، اس میں ان انبیاء یا کسی اور انسان کی خواہش یا مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (سورہ انعام:۱۲۴)

اس موقع کو تو اللہ خوب ہی جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔

''یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیوں کہ وہی ہر بات کی حکمت ومصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے، مکہ کا کوئی چودھری ورئیس یا جناب عبداللہ وحضرت آمنہ کا در یتیم؟'' (۱)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ (سورہ حج:۷۵)

فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا یعنی پیغام رسانی کا کام لیا ہے، جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا ہے کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائے یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائے۔ اور لوگوں میں سے بھی ''جنہیں چاہا'' رسالت کے لیے چن لیا اور انہیں لوگوں کی ہدایت ورہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے گو منتخب اور چنیدہ تھے۔ وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے یعنی جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ ''(۲)

اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے کرام کو انسانوں میں سے منتخب کیا تو دوسرے انسانوں کی طرح انہیں بال بچوں والا بھی بنایا۔ چنانچہ اس تعلق سے بصراحت ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً ﴾ (سورہ رعد:۳۸)

(اے نبی) ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا۔

شادی کرنا اور صنف مقابل کو شریک حیات بنانا انسانی فطرت اور ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفوں میں اس

(۱) تفسیر احسن البیان، از حافظ صلاح الدین یوسف، سورہ انعام، آیت نمبر:۱۲۴۔ (۲) ایضا، تفسیر سورہ حج، آیت نمبر:۷۵۔

کی کشش رکھی ہے اور دونوں کے اجتماع سے انسانی نسل کا سلسلہ دراز ہوتا ہے۔

یہ بھی بدیہی امر ہے کہ سنجیدہ اور شریف لوگ شریکہ حیات کے انتخاب کے وقت وہی سنجیدگی اور شرافت مدنظر رکھتے ہیں جس سے وہ خود متصف ہیں۔ اس کے برعکس فساق وفجار کی ترجیح دوسری ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کے اندر سورہ نور میں واضح لفظوں میں فرمادیا گیا ہے کہ:

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ (سورہ نور:۲۶)

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں، اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔

اسی سورہ کے شروع میں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

﴿الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورہ نور:۳)

زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے کسی اور سے نکاح نہیں کرتا اور زنا کار عورت سے بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور کوئی نکاح نہیں کرتا، اور ایمان والوں پر یہ حرام کردیا گیا۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریکہ حیات کے انتخاب کے تعلق سے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ "**فاظفر بذات الدين**" (۱) یعنی دین دار عورت کو ترجیح دی جائے۔

یہ بات بعید از فہم ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور پاک طینت انسان کسی بدخلق، بے دین اور بے حیا عورت کو اپنی زوجیت کے لیے منتخب کرے گا یا برداشت کرے گا۔ جب انسان عام دوستوں اور ساتھیوں کے انتخاب میں اپنی پسند اور ترجیح کو ملحوظ رکھتا ہے تو پوری زندگی کی ساتھی کے انتخاب میں بھلا ایسا کیوں نہ کرے گا۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے:

"**الرجل على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل.**" (۲)

انسان اپنے دوست کے دین اور طور طریقے پر ہوا کرتا ہے لہذا تمہیں دوست کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"**لا تصاحب إلا مومنا، ولا يأكل طعامك إلا تقي**" (۳)

(۱) صحیح بخاری:۵۰۹۰، صحیح مسلم:۱۴۶۶۔ (۲) سنن ابی داود:۴۸۳۳، سنن ترمذی:۲۳۷۸، بسند حسن۔

(۳) سنن ابی داود:۴۸۳۳، سنن ترمذی:۲۳۹۵، بسند حسن۔

تم مت ساتھ رہو مگر مومن ہی کے، اور تمہارا کھانا پرہیز گار شخص ہی کھائے۔

اسی مفہوم میں عربی زبان کا ایک شعر بہت مشہور ہے:

عن المرء لا تسأل و سل عن قرينه فكل قرين بالمقارن يقتدي

یعنی اگر کسی کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو اس کے بارے میں لوگوں سے نہ پوچھو بلکہ اس کے دوستوں کے بارے میں معلومات کرو کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، کیوں کہ ہر دوست اپنے دوست ہی کی پیروی کرتا ہے۔

اور فارسی کا یہ شعر بھی اسی معنی کی ترجمانی کرتا ہے:

کند جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ تمہیدی سطور اس لیے احاطہ تحریر میں لائی گئی ہیں کہ کسی بھی شخص کو امام الانبیاء و سید المرسلین محمد ﷺ کی ازواج مطہرات کے سلسلے میں کوئی مغالطہ اور گمراہ کن بات باور کرائی جائے تو اس کے مستلزمات ونتائج پر نظر رکھے، اور شرعی دلائل تک اس کی رسائی نہ بھی ہو تو ان عقلی دلائل اور سماجی اصولوں کی روشنی میں اسے پرکھنے کی کوشش کرے۔

جہاں تک شرعی دلائل کا تعلق ہے تو قرآن کریم، احادیث شریفہ اور اقوال سلف کا ایک بڑا مجموعہ موجود ہے جو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے فضائل ومناقب اور عظمت ورفعت پر دال ہے، جو اپنی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے ہر قسم کے شک وشبہے سے بالاتر ہے اور جس کا انکار کلام الٰہی کا انکار ہے، فرمودات رسول کا انکار ہے، اجماع امت کا انکار ہے اور مسلمات دین کا انکار ہے۔

مجموعی طور پر یہ شرعی دلائل دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پہلا حصہ وہ ہے جو اجمالی طور پر جملہ ازواج مطہرات سے عمومی طور پر متعلق ہے اور دوسرا حصہ فرداً فرداً، الگ الگ زوجات سے خصوصی طور سے متعلق ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم صرف ان قرآنی دلائل کو جمع کرنے کی کوشش کریں گے جن کا تعلق مذکورہ دونوں قسموں سے ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کی تینتیسویں سورہ جو سورہ احزاب کے نام سے موسوم ہے اس سورہ کا بڑا حصہ ازواج مطہرات کے تذکرے اور ان سے متعلق احکام ومسائل اور ان کے مناقب وفضائل پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسری سورتوں میں بھی امہات المومنین سے متعلق اجتماعاً یا انفراداً بیان آیا ہے۔ لیکن پہلے سورہ احزاب کی آیات بالترتیب پیش کی جائیں گی، اس کے بعد دوسری سورتوں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۱- قوله تعالى: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (سورہ احزاب:٦)

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

" وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُم" یہ ازواج مطہرات کی ایک بڑی فضیلت اور اعلیٰ امتیاز ہے کہ انہیں اہل ایمان کی ماں کا درجہ دیا

گیا ہے۔''ماں'' کے لفظ اور اس کے معنی میں جو معنویت ہے اسے الفاظ کا جامہ پہنانا مشکل امر ہے۔کسی بھی سلیم الطبع انسان کی نگاہ میں ماں کا کیا مقام ومرتبہ ہوتا ہے اور اسے کس شفقت ومحبت اور ہمدردی و پیار کی نظر سے دیکھتا ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔یہ تو ماں سے فطری اور جذباتی لگاؤ کی بات ہوئی۔دوسری طرف شریعت مطہرہ نے والدین کے تعلق سے بالعموم اور ماں کے تعلق سے بالخصوص جس ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کی تلقین کی ہے اور جس قدر ان کے حقوق بیان کیے ہیں وہ سب بیک وقت ان نفوس قدسیہ کو حاصل ہیں۔قرآن کی وہ تمام آیات سامنے رکھیں جن میں والدین یا والدہ کے حقوق اور ادب واحترام کا بیان ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی وہ تمام احادیث شریفہ جو اس خصوص میں آئی ہیں ان سب میں والدین یا والدہ کے تعلق سے مذکور فضائل وحقوق امت کی ان ماؤں کو حاصل ہیں۔بھلا اس شرف ومنقبت سے دنیا کی کسی خاتون کو آپ متصف پاسکتے ہیں۔

اس مقام پر یہ واضح رہے کہ''ماں'' ہونے سے یہاں مراد تعظیم وتکریم اور نکاح کی حرمت ہے۔بقیہ دوسرے احکام کا یہاں انطباق نہیں ہوگا۔مثلاً ان سے پردہ کرنا ضروری ہوگا،ان کے ساتھ خلوت حرام ہوگی،اور ان کی اولاد کے ساتھ نکاح حرام نہ ہوگا..وغیرہ وغیرہ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے فضائل وخصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں،وہ بھی جن کا انتقال آپ کی حیات مبارکہ میں ہوا اور وہ بھی جن کا انتقال آپ کے بعد ہوا۔اور یہ(ماں ہونا)ان سے نکاح حرام ہونے،ان کے احترام واطاعت کے واجب ہونے اور نافرمانی کی حرام ہونے میں ہے۔نہ کہ ان کو دیکھنے،ان کے ساتھ خلوت کرنے اور ان کی بیٹیوں اور بہنوں کے حرام ہونے (یعنی ان کے ساتھ نکاح حرام ہونے) میں ہے۔پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنیں ہیں اور نہ یہ کہ ان کے ماں باپ مسلمانوں کے نانا نانی ہیں...''(۱)

امام نووی کے علاوہ دیگر مصنفین اور سیرت نگاروں نے بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اسی مفہوم کی بات لکھنے کے بعد فرمایا کہ''اس پر اجماع ہے''(۲)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ "وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُم" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کو یہ شرف عطا کیا کہ انہیں مومنین کی مائیں قرار دیا.....''(۳)

آیت کریمہ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (سورہ احزاب:۶) اور اس کا ترجمہ درج کرنے کے بعد مشہور سیرت نگار قاضی سلیمان سلمان منصور پوری مصنف رحمۃ للعالمین فرماتے ہیں:

(۱)تہذیب السیرۃ النبویۃ،امام نووی،ص:۸۰۔ (۲)تفسیر ابن کثیر:۶۱۸/۳۔
(۳)تفسیر قرطبی:۸۳/۱۴۔

''یہ روشن ہے کہ "أنفسهم" اور "أمهاتهم" کی ضمیروں کا مرجع مومنین ہیں اور اسی لیے ازواج النبی ﷺ کا لقب امہات المومنین ہے نہ کہ امہات الامت وغیرہ (یہاں قاضی صاحب نے حاشیہ لگا کر اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:'' الامت میں اشرار واخیار سب ہی شامل ہیں۔ازواج مطہرات کو اسی لیے امہات المومنین کہا کہ اشرار کو ان کی فرزندی کا شرف نہیں مل سکتا'') لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ مومن کے متمیز ومشخص کرنے کی علامات کو واضح کر دیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں دو علامتیں بتائیں:

اول: مومن وہ ہے جو نبی ﷺ کو اپنی جان شیریں سے زیادہ محبوب رکھتا ہو اور حضور ﷺ کو جان سے بڑھ کر اولیٰ سمجھتا ہو۔

دوم: مومن وہ ہے جو ازواج نبی ﷺ کو ماں جانتا ہو۔ وہ ماں نہیں جس سے جسم عنصری کا ظہور ہوا بلکہ وہ ماں جس کی فرزندی کا شرف اس وقت نصیب ہوتا ہے جب ولاء نبوی اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

الغرض اس آیت میں ازواج مطہرات کی بہت بڑی فضیلت کا بیان ہے۔ ذرا غور کرو کہ کس طرح نبی ﷺ کے شرف وتعظیم کے ساتھ ساتھ ازواج نبی ﷺ کی تجمیل وتکریم کو بیان فرمایا اور تکمیل ایمان کے لیے محض ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ پر اختصار نہ کر کے ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ کے اخبار واعلان کو حقوق نبی اور شرائط ایمان کے ساتھ منضم کیا ہے۔''

اس کے بعد قاضی صاحب نے ماں کی فضیلت پر ایک حدیث ذکر کی جس کے آخر میں ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہونے کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا:

''حدیث شریف کے درج کرنے کا مدعا یہ ہے کہ جب جسمانی ماں کی خدمت کا اس قدر اجر جمیل ہے تو ایمانی ماں کی خدمت کا اجر عظیم ہونا بخوبی ذہن نشین ہوسکتا ہے۔'' ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ سچ ہے کہ ماں کا درجہ جاننے والے اور ماں کی خدمت کرنے والے تھوڑے ہیں۔''(۱)

(جاری)

☆☆☆

(۱) رحمۃ للعالمین، از قاضی سلیمان سلمان منصور پوری: ۲/۱۴۰-۱۴۱۔

اولیاءاوران کے کرامات: ایک تحقیقی جائزہ

(۲) مولانا محمد ایوب سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

ولی معصوم عن الخطأ نہیں ہوتا:

ولی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے، اس پر بھی وہی احکام جاری ہوتے ہیں جو ایک عام انسان پر ہوتے ہیں، وہ غلطیاں بھی کرتا ہے، بھول چوک اور گناہ کا بھی ارتکاب کرتا ہے، یہ انسانی کمزوریاں ولایت کے منافی نہیں ہیں، لیکن اہل تصوف کا خیال وعقیدہ اس کے برعکس ہے، وہ انبیاء کی طرح اولیاء کی بھی عصمت کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب دل محفوظ ہو تو نفس بھی گناہوں سے محفوظ رہے گا، اہل تصوف کا یہ عقیدہ نصوص شرعیہ کے سراسر خلاف ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِیْ جَاء بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُوْلَئِکَ هُمُ الْمُتَّقُونَ، لَهُم مَّا یَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَلِکَ جَزَاء الْمُحْسِنِیْنَ، لِیُکَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِیْ عَمِلُوا وَیَجْزِیَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِیْ کَانُوا یَعْمَلُونَ﴾ (الزمر:۳۳-۳۵)

جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے سچ کی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہیں، وہ جو چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس انھیں ملے گا، نیکوکاروں کا یہی بدلہ ہے، تاکہ اللہ تعالی ان کے برے اعمال کو جو وہ کیے ہوں گے دور کردے گا، اور ان کے اچھے کاموں کا انھیں بدلہ دے گا۔

ان آیات کریمہ کے اندر اللہ تعالی نے نیکوکاروں اور متقین کے لیے گناہ اور برے اعمال کو ثابت کیا ہے پھر اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ اپنی رحمت سے ان کے گناہوں کو معاف کردے گا، لہذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ متقی اور ولی ہونے سے معصوم عن الخطأ ہونا لازم نہیں آتا، اگر ایسی بات ہوتی تو پھر اللہ تعالی ان کی طرف گناہوں کی نسبت ہی نہیں کرتا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مروی ہے: "إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه" (الترمذی، حدیث نمبر:۳۶۸۲، وصححہ الألبانی) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان ودل حق کی گواہی دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سادات اولیاء میں سے تھے، اس کے باوجود انھوں نے اپنے دل میں ڈالی گئی تمام باتوں پر کلی اعتماد کبھی بھی نہیں کیا، بلکہ ان باتوں کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھتے تھے جو باتیں ان کے موافق ہوتیں ان کو اختیار کر لیتے اور جو باتیں مخالف ہوتیں انھیں ترک کردیتے۔ کاروان توحید وسنت کا ہر دور میں یہی شیوہ رہا ہے۔ ابوسلیمان الدارانی فرماتے

ہیں: ''میرے دل میں قوم کے بہت سارے مسائل اور نکتے پیدا ہوتے ہیں لیکن میں ان کو اسی وقت قبول کرتا ہوں جب دو عادل وثقہ گواہ (کتاب وسنت) ان کے حق ہونے کی گواہی دیں۔ (دیکھئے الفرقان بین أولیاء الرحمٰن وأولیاء الشیطان ص ۴۹) اسی طرح ولی سے اگر علمی اجتہاد واستنباط میں غلطی سرزد ہوتو اس سے اس کی ولایت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوگا بشرطیکہ اس نے اجتہاد اور بحث وجستجو میں پورے اخلاص کا مظاہرہ کیا ہو اور حق کو پانے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کردی ہو، نہ یہ کہ صرف اس کی غلطیاں معاف ہیں، بلکہ وہ اکہرا اجر کا بھی مستحق ہے، آنحضورﷺ نے ارشاد فرمایا: "إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر" (رواہ الإمام البخاری فی صحیحہ: ۷۳۵۲)

اگر حاکم کوئی فیصلہ کرے اور درست فیصلہ کرے، اجتہاد کرے تو درستگی کو پالے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اس نے فیصلہ کیا یا اجتہاد کیا لیکن اس سے غلطی سرزد ہوگئی تب بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔

نبی کریمﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "كل بني آدم خطاء ون وخير الخطائين التوابون" (رواہ الترمذی فی سننہ: ۲۴۹۹، وحسنہ الألبانی، والدارمی: ۲/۳۰۳ وأحمد: ۳/۱۹۸)

بنی آدم سارے کے سارے گنہگار وخطا کار ہیں، ان میں بہتر وہ لوگ ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ کرلیتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ اور دلائل وبراہین کی روشنی میں لکھا ہے کہ ولی معصوم عن الخطأ نہیں ہوتا۔ اس موضوع پر مکمل جانکاری کے لیے ان کی کتاب الفرقان بین أولیاء الرحمٰن وأولیاء الشیطان کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ولایت صوفیاء کی اصطلاح میں:

ولایت کے سلسلے میں اہل سنت کے عام مفہوم سے ہٹ کر صوفیاء نے اس کا الگ ہی معنی ومفہوم متعین کیا ہے جس میں انھوں نے شریعت کا بالکل پاس ولحاظ نہیں رکھا ہے۔

ابوالقاسم القشیری لکھتے ہیں: ولی کے دو معنی ہیں: ولی فعیل کے وزن پر مفعول کا معنی دیتا ہے، لہذا ولی اسے کہیں گے جس کے پورے معاملات کی ذمہ داری اللہ تعالی نے لے لی ہو۔ دوسرا فعیل کے وزن پر اسم فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہے، لہذا ولی وہ ہے جس نے اللہ کی عبادت وبندگی اطاعت وفرماں برداری کو اپنی ذمہ داری قرار دے لیا ہو اور گناہ اس کی عبادت میں خلل انداز نہ ہو۔ مذکورہ دونوں اوصاف ولی کے لیے ضروری ہیں تب ہی ایک شخص ولی بن سکتا ہے۔ (دیکھئے الرسالۃ القشیریۃ: ۵۲۰، ۵۲۱)

مذکورہ بالا ولی کے مفہوم سے عصمت اولیاء کے قائلین کی تائید ہوتی ہے۔

جرجانی نے بھی قشیری سے ملتی جلتی تعریف کی ہے، مزید انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ''ولایت بندے کا قیام حق کے لیے اپنے نفس کو فنا فی اللہ کے درجے تک پہنچا دینا ہے۔ (دیکھئے التعریفات ص ۳۱۰) اس تعریف سے صوفیاء کے نظریہ حلول اور فنا

فی اللہ کی تائید ہوتی ہے۔

اولیاء کرام کے سلسلے میں اہل تصوف سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور کتاب وسنت سے جوان کے انحرافات ہیں انھیں ذیل میں چند نقاط کی روشنی میں ذکر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے:

☆ صوفیاء کا خیال ہے کہ ولی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔مختلف شکلیں اختیار کرتا اور ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر موجود ہوتا ہے۔امام شعرانی شیخ ابوعلی کے سوانح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وہ عارفین کاملین اور وسیع حلقہ رکھنے والوں میں سے تھے،مختلف حالات میں نظر آتے ،تم ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمھیں فوجی کی شکل میں ملیں گے،درندے کی شکل میں،کبھی ہاتھی کی شکل میں اور کبھی چھوٹے بچے کی صورت میں نظر آئیں گے''۔(الطبقات الکبری للشعرانی:۲/۸۷)

☆ ولی اپنے دل میں جس چیز کا بھی تصور کرے وہ اسے خارج میں موجود پاتا ہے جیسا کہ شعرانی جوہری کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں، جب انھوں نے دریا میں غوطہ لگایا اس وقت ان کے دل میں عراقی عورت سے شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا،انھوں نے تصویر میں شادی کی اور اولاد بھی پیدا ہوئی،ایک مدت کے بعد وہ عراقی عورت ان کے پاس آئی،اس کے ساتھ وہ بچہ بھی تھا جو ان سے پیدا ہوا تھا''۔(دیکھئے الطبقات الکبری:۲/۸۷)

☆ اہل تصوف کے یہاں اولیاء معصوم عن الخطأ ہوا کرتے ہیں،ان پر کسی قسم کی نکیر جائز نہیں ہے اگر چہ وہ شریعت کی کھلی مخالفت ہی کیوں نہ کررہے ہوں۔شعرانی نے علی الخواص سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔علماء وفقراء کے سلسلے میں تم کسی طرح کی منکر بات سننے سے بچو ورنہ تم اللہ کی عین نگہبانی سے گر جاؤ گے،انھوں نے مزید کہا: قوم کو ان کی منازعت سے روکا گیا ہے،اس لیے کہ ان کے علوم وہبی ہوتے ہیں،ان میں آمیزش نہیں ہوتی،ان کے علوم وراثت نبوی ہیں۔(دیکھئے الطبقات الکبری:۱/۱۰)

☆ ولایت اولیاء کبار کے گھر کی لونڈی ہے اسے وہ جب چاہیں جسے چاہیں ہبہ کرسکتے ہیں۔دباغ کہتے ہیں: ولی اس بات پر قادر ہوتا ہے کہ وہ کسی کے کان میں گفتگو کرے،وہ اس مجلس سے اٹھے گا بھی نہیں کہ دونوں علوم ومعارف میں برابر ہوں گے۔(دیکھئے تقدس الاشخاص:۱/۵۷)

اہل تصوف کا یہ بھی کہنا ہے کہ ولایت خلوت نشینی اور ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔لہذا مذکورہ قول ان کے اس نظریہ کے خلاف ہے۔

☆ اہل تصوف کا خیال یہ بھی ہے کہ اولیاء آنحضور ﷺ سے دوبدو بیداری کی حالت میں ملاقات کرتے ہیں،ان سے شرعی علوم حاصل کرتے اور حلال وحرام سے متعلق فتوے دریافت کرتے ہیں،احادیث کی صحت وضعف کے احکام معلوم

کرتے ہیں۔(دیکھئے الطبقات الکبری:۲/۶۷-۸۱)

☆ جس طرح نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اسی طرح ان کے نزدیک ولایت کا سلسلہ بھی ختم ہوجاتا ہے، اس فکر کے موحد حکیم ترمذی ہیں، ان کے بعد اہل تصوف نے اس فکر کو خوب فروغ دیا حتی کہ انھوں نے ہر زمانہ میں خاتم ولایت کی نشاندہی کی ہے۔(دیکھئے تقدیس الاشخاص:۱/۷۹)

☆ اولیاء کائنات میں تصرف کا حق رکھتے اور غیب جانتے ہیں۔شعرانی نے ابراہیم الجعبری کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ لوگوں کے پوشیدہ احوال سے واقف تھے، وہ جب چاہتے اپنے پاس بیٹھنے والوں کو ہنسا اور رلا دیتے، لوگوں کا پیشاب روک دیتے پھر اسے جاری کردیتے۔(دیکھئے تقدیس الاشخاص:۱/۲۰۳،۲۰۴)

محمد الخضری سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ زمین میرے ہاتھ میں اس برتن کی طرح ہے جس میں میں کھاتا ہوں اور مخلوقات کے جسم میرے نزدیک شیشے کے مانند ہیں میں جب چاہوں ان کے باطن کو دیکھ سکتا ہوں۔(تقدیس الاشخاص: ۲/۱۰۷)

شرینی سے منقول ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کی لاٹھی سے کہتے کہ انسان بن جاؤ تو وہ انسان بن جاتی، اس کو ضرورت کی تکمیل کے لیے بھیج دیتے، ضرورت پورا کرنے کے بعد وہ پھر اپنی اصلی حالت میں لوٹ آتی۔(تقدیس الاشخاص:۲/۳۶)

کرامات اولیاء:

کرامات اولیاء خارق عادات امور کے اقسام سے تعلق رکھتے ہیں، عادت ایک ہی طرز پر بار بار آنے والی حالت کو کہتے ہیں، مثلاً عورت کے لیے حیض کی عادت۔عام مروجہ حالت جس پر انسان ہمیشہ قائم رہتا ہے، اس کے خلاف پیش آنے والے واقعہ کو خرق عادت کہتے ہیں۔(المعجم الوسیط ص ۶۳۵) انسان کا بشری ضروریات مثلاً کھانے پینے سے بے نیاز ہونا جو غیر مروج سبب سے ہو، یا کچھ ایسی چیزوں کو جان لینا، دیکھ یا سن لینا جو بشری امکان سے باہر ہو خارق عادت ہے، اسی کیفیت کا نام کشف یا مکاشفہ بھی ہے، کبھی کبھی ایسے آثار بھی نمایاں ہوتے ہیں جو انسانی قدرت سے ماوراء ہیں، مثلاً روشنی کے ذرائع کے بغیر روشنی کا وجود وغیرہ، فوری دعاء کی قبولیت بھی اسی قسم سے ہے، کسی کو کوئی قدرت یا علم عطا کرنا یا کسی کے ذریعہ خارق عادت امر کو انجام دلا دینا، یہ صرف اللہ تعالی کی خاصیت ہے یہ کسی ولی، یا پیر کے بس کی بات نہیں کہ وہ جب چاہے اور جس قسم کا کرتب چاہے دکھا سکتا ہے۔غیب کے سارے علوم کو اللہ تعالی نے اپنے لیے خاص کیا ہے، اللہ تعالی نے اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ کو بھی حکم دیا کہ آپ لوگوں کو یہ بتلائیں کہ میں غیب نہیں جانتا، ارشاد ربانی ہے: ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب ولا أقول لكم إني ملك﴾ (الانعام:۵۰) کہہ دیجیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتوں کے جاننے کا دعوی کرتا ہوں، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔

مافوق العادۃ امور، یا کرامات کے ذریعہ صاحب کرامات اگر تقوی اور بھلائی کے کاموں پر مدد کریں تو یہ بہتر اور نتیجہ خیز ہے، مثلا انبیاء کے معجزے نے دین کے اندر حجت کا کام کیا، صالحین اور اولیاء کے کرامات سے مسلمانوں کی کوئی اہم ضرورت پوری ہوئی، بعض مافوق العادۃ امور مذموم اور نقصان دہ ہیں، ان سے ظلم وجور اور فسق وفجور کے کاموں پر مدد لی جاتی ہے، جیسے جادوگر اور شعبدہ باز فساق وفجار بعض کرشمے دکھا کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں، ان میں سے بعض کرشمے ان کی ذات تک ہی محدود ہوتے ہیں، ان سے نہ کسی کو نقصان پہنچتا ہے اور نہ فائدہ، اگر یہ کسی غیر شرعی حرکت وعمل کی وجہ سے وجود میں آئیں تو ان کو مباح اور مستحسن قرار دیا گیا ہے، ہاں اگر انھیں خیر کے لیے استعمال کیا جائے تو بہتر اور اگر شر کے لیے استعمال کیا جائے تو مذموم ہیں۔ (دیکھئے النبوات: ۲۷، ۲۸، شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۲/۷۴۷)

کرامت کی تعریف:

کرامة كَرُمَ کا مصدر ہے یا كَرَّمَ یا أَكْرَمَ کا اسم مصدر۔ کاف را اور میم اصل مادہ کے حروف ہیں، اس کے دو معنی آتے ہیں، ایک کسی چیز کا بذات خود شریف ومعزز ہونا، دوسرا چند خصائل میں سے کسی ایک خصلت کی وجہ سے شریف ومعزز ہونا۔ (دیکھئے معجم مقاییس اللغۃ، باب کرم) مذکورہ وضاحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پہلے معنی کی بنیاد پر کرامت بذات خود معزز ومشرف شئی ہے، اس لیے اسے کرامت کہا جاتا ہے، دوسرے معنی کی بنا پر صاحب کرامت اپنی خصائل وعادات میں معزز ہونے کی وجہ سے خالق ومخلوق دونوں کے نزدیک معزز ومشرف ہے۔

كرامة كرم سے ہے جو لؤم (کمینہ وگھٹیا ہونا) کی ضد ہے۔ (دیکھئے القاموس المحیط، کرم)

کرامت کی اصطلاحی تعریف:

لفظ کرامت جس معنی ومفہوم میں بولا جاتا ہے، اس معنی میں وہ نہ کتاب وسنت میں وارد ہے اور نہ اقوال صحابہ ہی میں اس کا وجود ہے، اس معنی کے لیے اللہ تعالی نے لفظ ''آیت'' کا استعمال فرمایا ہے، اہل کہف (غار والوں) سے غار کا دروازہ کھلے ہونے کے باوجود سورج کی روشنی کترا کر چلی گئی، ان کی اس کرامت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ذلك من آيات الله﴾ (الکہف: ۱۷) یعنی یہ اللہ کی قدرت کی دلیلیں اور اس کی نشانیاں ہیں۔ (جو صاحب کرامت کی عظمت اور شرافت پر دال ہیں) گویا انبیاء کے معجزے سے تفریق وتمیز کے لیے لفظ کرامت استعمال کیا گیا اور یہ لفظی تفریق ہے، بہت سے متاخرین اسی بات کے قائل ہیں۔ (دیکھئے النبوات ص ۱۵ وقاعدۃ فی المعجزات والکرامات ص ۷) پھر لفظ کرامت مافوق العادۃ امر کے لیے عام ہوگیا۔ عام علماء یہی لفظ استعمال کرنے لگے۔ اب اگر کسی سے مافوق العادۃ امر کے لیے عام ہوگیا تو ہم اس کی شخصیت اور ذات پر غور کریں گے، اگر وہ مومن ومتقی ہے اور جو فعل اس سے صادر ہوا ہے اس طرح کا فعل اولیاء سے صادر ہونے کا امکان ہے تو اس فعل کو کرامت تسلیم کریں گے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں کرامت کی تعریف یہ ہوگی: کرامت

ایک خارق عادت امر ہے جس کو اللہ تعالی اپنے کسی کے ہاتھ سے ظاہر فرماتا ہے، خواہ ولی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ (دیکھئے تقدیس الاشخاص: ۲۷۸/۲ محمد احمد لوح)

مذکورہ تعریف کی روشنی میں کرامت کے چند شروط ظاہر ہوتے ہیں:

(۱) خارق عادت امر کا وجود

(۲) ولی سے اس کا صدور

(۳) جس ولی سے اس کا صدور ہو وہ نبی نہ ہو۔

(۴) مافوق العادۃ اور خارق عادت امر اس لائق ہو کہ اسے کرامت کہا جا سکے وہ معصیت، گناہ اور باطل کے قبیل سے نہ ہو۔ (دیکھئے: الموافقات للشاطبی: ۲۷۸/۲)

معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق:

کرامات اولیاء انبیاء کے معجزے ہی کے قبیل سے ہیں، دونوں میں درجے اور مرتبے کا فرق ہے، ذیل میں فرق کے چند اسباب ذکر کیے جا رہے ہیں:

☆ جس طرح اولیاء انبیاء کے مقام و مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے، اسی طرح کرامات اولیاء انبیاء کے معجزات کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے، انبیاء کرام کے جو بڑے معجزے ہوتے ہیں وہ کسی بھی ولی یا شیطان کے ذریعہ ظاہر نہیں ہو سکتے، یہ ان کی صداقت اور حقانیت کی دلیل ہوا کرتے ہیں، غیر نبی کے احوال کے ساتھ ان کا خلط ملط ہونا کسی بھی طور پر ممکن نہیں، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی کے بھی کرامات انبیاء و مرسلین کے معجزے کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے''۔ (دیکھئے: النبوات ص ۴)

انبیاء کے ہاتھ سے کچھ خارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں، انھیں چھوٹا معجزہ کہا جاتا ہے اور وہ زوائد کے قسم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی جو معجزات کبری کو حاصل ہوتی ہے، صرف انھیں پر صداقت انبیاء کے سلسلے میں کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے، اور اس طرح کے خارق عادت امور اولیاء سے بھی ان کی کرامت کے طور پر ظاہر ہو سکتے ہیں، نیز یہ اس نبی کی صداقت کی دلیل ہوں گے، جس کی پیروی ولی نے کی ہے، معجزے کا یہی کمتر درجہ ہے جو انسان اور جنات کے ذریعہ بھی ظاہر ہو سکتا ہے اور صرف یہی کسی نبی کی صداقت کی نشانی نہیں ہو سکتے بلکہ انبیاء کو اللہ تعالی بڑے بڑے معجزے کے ذریعہ تقویت بخشتا ہے اور انسان و جنات کبھی بھی ان پر قادر نہیں ہو سکتے ہیں۔ (دیکھئے النبوات ص ۳۳۳، ص ۳۳۵ والموافقات للشاطبی ۲۶۲،۲۵۹/۲)

☆ معجزات انبیاء کی صداقت کی دلیل ہوا کرتے ہیں، ان کے ذریعہ اللہ تعالی ایسے انبیاء ومرسلین کی مدد کرتا ہے اور انھیں انسانوں کی ہدایت کے لیے پیش کیا جاتا ہے اور انبیاء ہی اس کے مستحق ہوا کرتے ہیں، انھیں ان معجزات کے وقوع کا علم ہوتا ہے، ان کے لیے انھیں ظاہر کرنا اور لوگوں کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے، خصوصا اس وقت جب لوگوں کا ایمان لانا انھیں پر موقوف ہو، اور یہ تمام شرطیں کرامت کے لیے ضروری نہیں ہیں، کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کرامت کا علم ولی کو نہ ہو، اگر علم ہو بھی تو انھیں ظاہر کرنا ولی کے لیے ضروری نہیں ہے۔

☆ معجزہ وہ ہے جسے نبی اپنی نبوت کے دعوی کے ساتھ پیش کرے اور کرامت ولی میں یہ شرط نہیں ہے۔

مذکورہ تفصیلات کے ذریعہ ایک عاقل بآسانی معجزہ اور کرامت کے درمیان تمیز کرسکتا ہے، نبی کریم ﷺ کے قول سے بھی ان باتوں کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "ما من الأنبياء نبي إلا أعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر وإنما كان الذي أوتيته وحيا أوحاه الله إليّ فأرجو أن أكون أكثرهم تابعا يوم القيامة" جتنے بھی انبیاء کرام گذرے ہیں ان میں سے ہر ایک کو ایسے ایسے معجزے دیئے گئے جن کو دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور مجھے جو بڑا معجزہ اللہ نے دیا ہے وہ ''قرآن'' ہے جس کو وحی کے ذریعہ اللہ تعالی نے میرے پاس بھیجا تو مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے متبعین دوسرے پیغمبروں کے متبعین کے مقابلہ میں زیادہ ہوں گے۔ (بخاری: ۴۹۸۱)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نبی کو ایک یا ایک سے زائد ایسی نشانیاں دی جاتی ہیں جنھیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں۔ (النبوات ص ۴)

مذکورہ بالا بیان سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جن کا خیال ہے کہ انبیاء کرام کے معجزے اولیاء کے کرامات بھی ہوسکتے ہیں نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ انبیاء کے معجزے کے ساتھ نبوت کا دعوی بھی پایا جاتا ہے جب کہ کرامات کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔

(جاری)

☆☆☆

نماز استخارہ ایک متروک سنت

عبدالولی عبدالقوی
داعی مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، الحائط/سعودی عرب

استخارہ کے معنی خیر اور بھلائی طلب کرنے کے ہیں، چنانچہ نماز استخارہ سے مراد وہ دو رکعت نماز ہے جو مخصوص دعا کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور اس میں اللہ سے مدد اور دو معاملات میں سے کسی ایک سے متعلق خیر طلب کیا جاتا ہے۔

دور جاہلیت کے لوگ اس طرح کے توہمات کے شکار تھے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتے تو پرندے کو پکڑ کر چھوڑتے اگر پرندہ دائیں جانب اڑ جاتا تو اس سے خیر کا شگون لیتے اور اپنے کام کرتے اور اگر بائیں جانب اڑ گیا تو بدشگون لیتے اور اپنے کام سے رک جاتے، بسا اوقات نشتر سے تیریں نکالتے کچھ تیروں پر خیر اور کچھ پر شر لکھا ہوتا اور کچھ تیریں خالی ہوتے، اگر وہ تیر نکل جاتا جس پر خیر لکھا ہوتا تو اپنے کام کو آگے بڑھاتے اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر شر لکھا ہوتا تو اپنے کام سے رک جاتے اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر کچھ نہ لکھا ہوتا تو دوبارہ تیر نکالتے، اسلام کی آمد ہوئی اسلام نے اس طرح کی بدعقیدگیوں کو مٹایا اور لوگوں کو اس علیم وخبیر علام الغیوب ذات سے جوڑا جو ہر معاملہ کے انجام سے واقف ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم دی کہ جب ہم کسی کام کا ارادہ کریں تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کریں اور اپنے معاملہ میں خیر کے طالب ہوں جس کی تفصیلات مندرجہ ذیل سطور میں آرہی ہیں۔

(۱) استخارہ کی اہمیت:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استخارہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ سکھلاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھلاتے تھے۔ (بخاری ۶۳۸۲)

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ استخارہ کی دعا اور نماز پر غایت درجہ توجہ دیتے تھے کہ اسے صحابہ کو نماز اور قرآن کی طرح سکھلاتے تھے۔ (فتح الباری ۱۱/۱۸۵)

حافظ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ''رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ سکھلاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھلاتے تھے'' اس سے استخارہ کی اہمیت اور اس کے مؤکد ہونے کا پتہ چلتا ہے نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ (عمدۃ القاری ۷/۲۲۳)

امام قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

بندہ مسلم کے لئے کسی دنیاوی معاملہ پر پیش قدمی کرنا مناسب نہیں ہے یہاں تک کہ استخارہ کے ذریعہ اس معاملہ میں اللہ

سے خیر طلب کرلے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۱۳/۲۷۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جس نے اپنے معاملات میں اللہ سے خیر طلب کیا، انسانوں سے مشورہ کیا اور جلد بازی سے کام نہ لیا تو اسے کبھی شرمندگی نہ ہوگی۔ (الکلم الطیب ۵۷)

(۲) نماز استخارہ کا حکم:

نماز استخارہ سنت ہے۔ (المجموع للنوی ۴/ ۵۸، الموسوعۃ الکویتیۃ ۳/۲۴۲)

قاضی شوکانی رحمہ اللہ حدیث جابر کی شرح میں فرماتے ہیں:

مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نماز استخارہ اور اس کے بعد دعا کرنا مشروع ہے اور میرے علم کی حد تک اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (نیل الاوطار للشوکانی ۳/۸۴)

(۳) استخارہ کا طریقہ:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ سکھلاتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھلاتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے، تو فرض کے علاوہ دو رکعت (نفل) نماز پڑھے، پھر یہ (دعا) پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَسْتَخِيْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ أَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِيمِ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا أَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لا أَعْلَمُ وَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِی فِی دِيْنِی وَمَعَاشِی وَ عَاقِبَةِ أَمْرِی فَاقْدُرْهُ لِیْ وَ يَسِّرْهُ لِی ثُمَّ بَارِکْ لِی فِيْه، وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنّ هٰذَا الأَمْرُ شَرٌّ لِی فِی دِيْنِی وَ مَعَاشِی وَ عَاقِبَةِ أَمْرِی فَاصْرِفْه عَنِّی وَ اصْرِفْنِی عَنْهُ وَ اقْدِرْ لِی الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِی بِه.

اے اللہ میں (اس کام میں) تجھ سے تیرے علم کی مدد سے خیر مانگتا ہوں اور (حصول خیر کے لئے) تجھ سے تیری قدرت کے ذریعہ قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں، بے شک تو (ہر چیز پر) قادر ہے اور میں کسی چیز پر قادر نہیں، تو (ہر کام کے انجام کو) جانتا ہے اور میں (کچھ) نہیں جانتا اور تو تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ الٰہی! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں) میرے لئے میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر کر، اور آسان کر، پھر اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اس (کام) کو مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لئے بھلائی مقدر فرما دے جہاں کہیں بھی ہو، پھر مجھے اس سے راضی کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "هذا الأمر" کی جگہ اپنی ضرورت کا نام لے۔

(بخاری، الدعوات باب الدعاء عند الاستخارۃ ۶۳۸۲)

لہذا استخارہ کرنے والا مندرجہ ذیل طریقہ سے استخارہ کرے:

(۱) اچھی طرح وضو کرے۔
(۲) نماز کے لئے کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ ''اللہ اکبر'' کہنے سے پہلے دل میں نماز استخارہ کی نیت کرے۔
(۳) دو رکعت نماز ادا کرے۔
(۴) نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو بیٹھے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور خوب اللہ کی حمد ثنا بیان کرے، پھر نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجے، درود ابراہیمی کا پڑھنا افضل ہے، پھر دعائے استخارہ پڑھے اور اس میں ''ہذا الامر'' کی جگہ اپنی ضرورت کا نام لے دعا کو بار بار دہرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) دعائے استخارہ اور اس میں مخفی اسرار و رموز:

دعائے استخارہ میں قدرت الٰہی کے اس قدر اسرار و رموز مخفی ہیں کہ اگر بندہ مسلم ان پر غور کرے اور اپنے ذہن و دماغ میں بیٹھائے تو اس کے دل میں اللہ کی عظمت، ہیبت اور اس کی قدرت وجلال کا شعور جاگے گا اور اس کے ایمان میں اضافہ ہوگا۔

ہم ذیل میں چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) حدیث استخارہ اور اس مفہوم کی دوسری احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دل و دماغ میں آنے والے ہر خیال کے لئے استخارہ مشروع نہیں ہے، جیسا کہ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں ''اذا اراد احدکم الامر'' جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرے، نیز رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے کہ وہ ذہن و دماغ میں آئے ہوئے ہر کام کے لئے استخارہ کرتے تھے، بلکہ استخارہ ان کاموں کے لئے مشروع ہے جسے درحقیقت بندہ مسلم کرنا چاہتا ہو۔

(۲) حدیث کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو قرآن کریم کی سورتیں اہتمام کے ساتھ سکھلاتے تھے جیسا کہ روای حدیث کہتے ہیں ''کما یعلمنا السورۃ من القرآن'' کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ سکھلاتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورت سکھلاتے تھے۔

لہذا رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں وارثین انبیاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم شرعی کو عام کریں اور مسلمانوں کو قرآن کریم کی سورتیں اور اذکار و اوراد سکھلائیں۔

(۳) دعائے استخارہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انسان کمزور، کم علم واقع ہوا ہے، جیسا کہ وہ دعا میں کہتا ہے: ''فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا أَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لا أَعْلَمُ'' بے شک تو (ہر چیز پر) قادر ہے اور میں کسی چیز پر قادر نہیں، تو (ہر کام کے انجام کو) جانتا ہے اور میں (کچھ) نہیں جانتا۔

(۴) دعائے استخارہ بندہ مسلم کی تربیت توکل علی اللہ پر کرتی ہے اور بندہ کو صحیح توکل سکھلاتی ہے کہ بندہ سبب دعا کو اپنانے کے ساتھ اپنے سارے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے ''اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الأَمْرَ خَیْرٌ لِی فِی دِیْنِی وَ مَعَاشِی وَ عَاقِبَۃَ أَمْرِی فَاقْدُرْہُ لِیْ وَ یَسِّرْہُ لِی ثُمَّ بَارِکْ لِی فِیْہِ'' الٰہی! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں) میرے لئے میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر کر، اور آسان کر، پھر اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما۔

(۵) دعائے استخارہ بندہ مسلم کو تعظیم الٰہی کی تربیت دیتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہر طرح کی تعظیم کا سزاوار ہے، چنانچہ بندہ مسلم کہتا ہے: ''وَ أَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیمِ، فَإِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا أَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا أَعْلَمُ'' (حصول خیر کے لئے) تجھ سے تیری قدرت کے ذریعہ قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں، بے شک تو (ہر چیز پر) قادر ہے اور میں کسی چیز پر قادر نہیں، تو (ہر کام کے انجام کو) جانتا ہے اور میں (کچھ) نہیں جانتا۔

ان جملوں میں اللہ کی تعظیم ہے بایں طور کہ قدرت وعلم کی نسبت اللہ کی جانب ہے جو تعظیم الٰہی کے دو اہم رکن ہیں، جب بندہ اس طرح کے جذبۂ تعظیم سے سرشار ہو کر اللہ سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہے تو اللہ اس کی ضرورت پوری فرما دیتا ہے۔

(۶) دعائے استخارہ میں بندہ مومن کو علم الٰہی کی منزلت کا احساس یاد دلایا گیا ہے کہ اللہ ہی اپنے علم وادراک کے لحاظ سے ساری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، چنانچہ بندہ مسلم اپنے معاملہ میں ایک ایسی ذات سے خیر کا طالب ہے جس پر ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، لہذا بندہ مسلم کہتا ہے ''وَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوبُ'' اور تو تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔

(۷) حدیث استخارہ سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ مسلم کو پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ سے بے نیازی نہیں ہے، کیوں کہ اللہ کی ذات ہی بے نیاز ہے اور بندہ اس کے سامنے محتاج وفقیر ہے کہ اپنی ذاتی مصلحتوں سے بھی آگاہ نہیں ہے، لہذا اسے اپنے ہر دینی و دنیوی معاملہ میں اللہ سے رشتہ جوڑنے کی ضرورت ہے، اسی لئے سلف صالحین اپنا ہر معاملہ یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ سے تعلق جوڑتے تھے۔

(۸) حدیث استخارہ سے نماز کی قدر ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے کہ شارع حکیم نے استخارہ میں صرف دعا پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دعا سے پہلے دو رکعت نماز کا حکم دیا اور یہی راز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو آپ نماز کی جانب بھاگتے۔

(۵) استخارہ کی دعا کب پڑھی جائے:

نماز استخارہ سے فارغ ہو کر سلام پھیرنے کے بعد استخارہ کی دعا پڑھی جائے۔ (دیکھئے: فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۸/۱۶۲)

(۶) استخارہ کا وقت:

احادیث میں استخارہ کے وقت کی کوئی تعیین وارد نہیں ہے، اسی وجہ سے علماء کی رائے ہے کہ استخارہ رات اور دن کی جس گھڑی میں بھی چاہیں کر سکتے ہیں سوائے اوقات مکروہہ کے۔

صاحب بذل المجہود لکھتے ہیں:

''حدیث میں نماز استخارہ کے لئے کسی مخصوص وقت کی تعیین وارد نہیں ہے، اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ نماز استخارہ ہمہ وقت جائز ہے، لیکن اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ نماز استخارہ اوقات مکروہہ میں نہیں پڑھی جائے گی''۔ (بذل المجہود ۷/۳۹۶)

(۷) کن کاموں کے بارے میں استخارہ کیا جائے؟

جب کسی کو کوئی جائز امر درپیش ہو تو اس موقع پر استخارہ کرنا سنت ہے، واجب امر کے بارے میں اس طرح کا استخارہ

کیا جاسکتا ہے کہ مثلاً عمرہ کے لئے نکلنا ہے تو کب نکلے، کس طرح کی سواری اختیار کرے وغیرہ فی نفسہ اس فعل واجب کے بارے میں استخارہ نہیں کرنا ہے۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کسی واجب اور مستحب کام کو انجام دینے یا کسی حرام ومکروہ کو ترک کرنے کے لئے استخارہ نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اب معاملہ صرف ان جائز اور مستحب کاموں کا بچا جو اختیاری ہوں کہ ان میں سے کس کو پہلے انجام دے یا کس پر اکتفا کرے۔ (فتح الباری ۱۱/۱۸۴)

(۸) استخارہ کے بعد خواب نظر آنا ضروری نہیں:

عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ استخارہ کے بعد خواب نظر آنا ضروری ہے، ہاں بسا اوقات خواب نظر آسکتا ہے لیکن یہ کوئی ضروری نہیں، بلکہ جب اللہ سبحانہ وتعالی بندہ کے دل میں کسی کام کی رغبت پیدا فرمادے یا کسی معاملہ کی جانب بندہ کا میلان ہونے لگے اور دوسرے کام کی نفرت دل میں پیدا ہونے لگے تو یہ استخارہ کے نتیجہ سے آگاہ ہونے اور کوئی قطعی فیصلہ لینے کے لئے کافی ہے۔

صاحب البدر الساری تحریر فرماتے ہیں:

علماء نے ہر دور میں اس مسئلہ سے آگاہ کیا ہے کہ استخارہ کے لئے شرط نہیں ہے کہ استخارہ کرنے والا کوئی خواب دیکھے یا کوئی آکر آگاہی دے یا اس کے ذہن ودماغ میں کوئی بات ڈال دی جائے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالی اس کے دل کو ایک پہلو کی جانب مائل کردے گا اس کا دل اس سے مطمئن ہوجائے گا اور اس کی رائے اس پر جم جائے گی اور بندہ مسلم اس پہلو کو اختیار کرلے جدھر اس کے دل کا میلان ہوا۔ (البدر الساری ۲/ ۴۲۸)

(۹) دوسرے کے لئے استخارہ کرنا:

دوسرے کے لئے استخارہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ نماز ایسی عبادت ہے جو کسی دوسرے کی جانب سے درست نہیں ہے۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''علماء کا اتفاق ہے کہ نماز خواہ فرض ہو یا نفل کسی بھی زندہ یا مردہ کی جانب سے پڑھنی جائز نہیں ہے''۔ (الاستذکار ۳/۳۴۰)

لہذا کسی کا کسی دوسرے کی جانب سے استخارہ کرنا درست نہیں ہے۔(۱)

اللہ ہمیں سنتوں پر عمل پیرا فرمائے اور بدعقیدگی اور خلاف سنت کاموں سے بچائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆

(۱) یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ شوافع اور مالکیہ اس کے جواز کے قائل ہیں، اگرچہ بعض معاصر علماء اس کو درست قرار نہیں دیتے ہیں، دلائل کی روشنی میں جو لوگ اسے جائز کہتے ہیں ان کی یہی بات راجح لگتی ہے۔ واللہ تعالی أعلم۔ (ع م)

اسلامی نظام اور امن وصالحیت کا قیام

عبدالرحیم محمد یونس بنارسی

اسلام ''سلم'' سے مشتق ہے، جس کے معنی امن وشانتی اور صلح وسلامتی کے ہیں، یعنی اسلام کے زیر سایہ تمام دنیائے انسانیت نہایت امن وصالحیت کی زندگی بسر کرسکتی ہے، کیونکہ یہ جس ذات عالی کا نازل کردہ دستور حیات ہے اس کی ایک صفت ''السلام'' یعنی مرجع امن وسلام بھی بیان ہوئی ہے جو امن وسلامتی کی طرف بلاتا ہے ﴿والله يدعو إلى دار السلام﴾ (یونس:۲۵) اور اللہ تعالی سلامتی کے گھر کی طرف (تم کو) بلاتا ہے۔

ظہور اسلام کے وقت دنیا فتنہ وفساد اور انتشار وبدامنی کا گہوارہ بنی ہوئی تھی، کہیں دولت واقتدار کی جنگ تو کہیں خاندانی ونسلی برتری کا تصادم، کہیں خواہشات کی تکمیل کے جھگڑے تھے تو کہیں جھوٹی انا کے معرکے، ان حالات میں تعلیمات الہیہ تو یقیناً موجود تھیں مگر ان کے حاملین ومتبعین نے ان کو اس حد تک غبار آلود کردیا تھا کہ ان کی روشنی میں امن وصالحیت اور عدل وسلامتی کی راہ دکھائی دینا تو درکنار خود ان کتابوں اور ان کے لانے والے انبیاء کی اصل سیرتوں کا پہچاننا مشکل ہوگیا تھا، اسی لیے پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کا دور مؤرخین کے نزدیک ''عہد تاریک'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ایسے پرآشوب حالات میں رسول ﷺ نے غار حرا سے ﴿اقرأ باسم ربك الذي خلق﴾ (العلق:۱) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا- کا پیغام لے کر نمودار ہوئے اور بگڑی ہوئی انسانیت کو اخلاق وانسانیت کا درس دیا، امن وصالحیت کا پیغام عام کیا، آپ کی دعوت کا مرکزی نکتہ دعوت توحید تھی، تاہم اس کے پہلو میں عالمی امن وصالحیت کی ضمانت موجود تھی۔

ہجرت مدینہ کے بعد آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات کرائی اور مدینہ کی غیر مسلم آبادی کو جمع کیا اور ان کے ساتھ مل کر پرامن بقائے باہم اور دفاع مدینہ کی مشترکہ تجویز مرتب کیں جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف ۳/ چیزیں ہیں: جان، مال اور آبرو۔ پیغمبر اسلام کا اہم ترین مشن انسانی قدروں کا تحفظ ہے، اسی وجہ سے حجۃ الوداع ۹ھ کے موقع پر نبی ﷺ نے اس منشور کا اعلان فرمایا: "فإن دماء كم وأموالكم وأعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا". (البخاری: ۱۱۷۳۹) بے شک تمہاری جان، مال اور آبرو کی حرمت تم پر اسی طرح ہے جس طرح آج کے دن، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے۔

امن وسلامتی کا خواہاں اسلام فرد ومعاشرے میں احساس امن کی بیداری کے لیے ''تصور سلام'' پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: "أفشوا السلام بينكم" (مسلم:۱۹۴) آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

امن کو پھیلانے اور ظلم کے خاتمے کے لیے اسلام نے تصور جہاد پیش کیا: ﴿وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم﴾ (البقرۃ:۱۹۰) لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ''جس طرح قیام امن واحترام روح انسانیت کے لیے سفک دم وقتل نفس ممنوع ہے، اسی طرح کبھی کبھی انہیں عزیز ترین متاع عالم کی حفاظت کے لیے سفک دم اور قتل نفس ضروری ہو جاتا ہے''۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿والفتنة أشد من القتل﴾ (البقرۃ: ۱۹۱) اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ ﴿والفتنة أكبر من القتل﴾ (البقرۃ:۲۱۷) یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

بقائے امن ہی کے لیے اسلام نے حدود وقصاص اور دیت کا نظام مقرر کیا اور ارباب فکر کو خوش خبری دی کہ یہی نظام تمہارے لیے باعث حیات باسعادت ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿ولكم في القصاص حياة يا أولي الألباب﴾ (البقرۃ:۱۷۹) عقلمندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

حسد کا چور دروازہ فساد معاشرہ کی جڑ غیبت اور تجسس کو حرام کیا، اللہ کا حکم ہے: ﴿اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا﴾ (الحجرات:۱۲) بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔

اسلام آیا تو عورتوں کو فطری آزادی اور مامونیت حاصل ہوئی۔ بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم بد ختم ہوئی، بدامنی پھیلانے والے عناصر سزا کے مستحق قرار پائے، ارشاد نبوی ہے: "فاتقوا الله في النساء" (مسلم:۲۹۵۰) عورتوں کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو۔ بدامنی کے اسباب کا بالکلیہ خاتمہ اسلام کا نصب العین ہے۔ بدامنی کا ایک سبب اقتدار کی چاہت ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿إن الحكم إلا لله﴾ (یوسف:۶۷) اقتدار صرف اللہ کا حق ہے۔ ذات، برادری اور اونچ نیچ کا تصور بدامنی کی آماجگاہ ہے، اس کی بنیاد منہدم کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا﴾ (الحجرات:۱۳) ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنا دیے۔ انتقام در انتقام کے جذبے کو مٹا کر عفو ودرگزر اور برائی کے بدلے بھلائی کے اصول کو اتنا عام کیا کہ جاہلی جذبہ انتقام سرد پڑ گیا، ﴿ولا تستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي أحسن﴾ (فصلت:۳۴)

نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر دیکھو کہ تمہارا جانی دشمن، قریبی دوست بن جائے گا۔ امن وسالمیت کو فروغ دینے کے لیے اسلام نے اختلاف وانشقاق کا سدباب کیا، اللہ کا فرمان ہے: ﴿ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (الانفال:۴۶) آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اسی طرح فقر وفاقہ کے خاتمے کے لیے زکاۃ کے پاکیزہ اصول منتخب کیے: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ (التوبۃ:۶۰) فقراء ومساکین صدقات کے حق دار ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ظلم کی پشت پناہی اور تعصب وناانصافی کی دیوار گرائی، اسلامی قانون ہے: ﴿ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى﴾ (المائدۃ:۸) کسی قوم کی عداوت تمہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ خواہ کوئی بھی معاملہ ہو اسلام نے جبر واکراہ کی راہ بند کی: ﴿لا اكراه في الدين﴾ (البقرۃ:۲۵۶) دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ فساد کی جڑ کاٹا اور فسادیوں کو عبرت ناک انجام سے باخبر کیا، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ولا تفسدوا في الأرض بعد اصلاحها﴾ (الأعراف:۵۶) امن وامان قائم ہوجانے کے بعد دنیا میں فساد مت پھیلاؤ۔ کیونکہ مفسدین کے لیے دنیا وآخرت میں رسوائی ہے: ﴿إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا أن يقتلوا﴾ (المائدۃ:۳۳) جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کردیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کردیا جائے۔

حیوان ناطق وغیر ناطق سب کے ساتھ احسان کی تلقین کرتے ہوئے نبی ﷺ فرماتے ہیں: "إن الله كتب الاحسان على كل شيء....." (مسلم: ۵۰۵۵) اللہ نے ہر چیز (انسان، جانور، جاندار وبے جان) کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عذبت امرأة في هرة سجنتها حتى ماتت" (بخاری:۲۳۶۵، مسلم: ۵۸۵۲) بلی کو تکلیف دینے کی وجہ سے ایک عورت عذاب میں مبتلا ہوئی، ہر جاندار کے ساتھ حسن سلوک پر خوش خبری دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "في كل كبد رطبة أجر" (بخاری:۲۳۶۳، مسلم:۵۸۵۹) ہر جاندار کے ساتھ بھلائی پر اجر وثواب ملے گا۔

بدعہدی کے اختتام کے لیے اللہ کا فرمان جاری ہوا: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسؤولا﴾ (الاسراء:۳۴) اور وعدے پورے کرو، کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی نے عہد وپیمان کے بعد معاہد کو قتل کردیا، "لم يرح رائحة الجنة" تو وہ جنت کی بو بھی نہیں پاسکتا۔ (البخاری:۶۹۱۴) کیونکہ اسلام کا اعلان کا

ہے کہ قتل ناحق انسانیت کے قتل کے مترادف ہے: ﴿من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعا﴾ (المائدۃ:۳۲) جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔

دین اسلام میں امن کے ساتھ ساتھ صالحیت کا وہ دستور بھی ہے جو دوسرے مذاہب کے منشور سے نہایت بلند وبالا ہے، ایک صالح سماج اور سوسائٹی کی تشکیل کے لیے اس کی پابندی نہایت ضروری ہے، امت محمدیہ کے امت خیر ہونے کا انحصار نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے پر ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾ (آل عمران:۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مسلم:۱۷۷) تم میں سے جو بھی شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے دور کرنے کی کوشش کرے اور اگر ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو زبان سے دور کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل میں برا جانے۔ یہ ایمان کا ادنی درجہ ہے۔

اسلامی صالحیت کا یہی تقاضا ہے کہ برائی سے کسی بھی صورت میں سمجھوتہ نہ کریں اور اس پر خاموش نہ رہیں اور گناہ سے بچنے کے ساتھ ساتھ اس میں تعاون سے بھی گریز کریں، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ (المائدۃ:۲) نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو۔

معاشرہ کی پاکیزگی کا پہلا سبب عدم اختلاط مرد وزن ہے، کیونکہ اختلاط بدکاری اور اتہام کا زینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز کے بعد اپنے سے پہلے جانے سے منع کیا: "ونهاهم أن ينصرفوا قبل انصرافه من الصلاة" (ابوداؤد:۶۲۴، وصححہ الألبانی) نبی ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نماز پڑھ کر اپنے سے پہلے واپس جانے سے روکا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب تک صحابہ کرام اوراد واذکار میں لگے رہتے صحابیات واپس اپنے گھروں کا رخ کر لیتیں۔

بلا اجازت غیر کے گھر میں داخل ہونا بھی اختلاط کا سبب ہے، بداخلاقی سے روکنے والی ہدایات قرآنی میں یہ حکم سرفہرست ہے: ﴿لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا﴾ (النور:۲۷) اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں بلا اجازت نہ داخل ہو۔

برائی کا مکمل قلع قمع کے لیے اللہ رب العزت غض بصر کا حکم دیتا ہے، چونکہ غیر مسلم خواتین مدینہ بے پردہ آمد ورفت کرتی تھیں تو مسلمانوں کو حکم ہوا کہ غیر محرم عورتوں کو ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھیں: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم﴾ (النور:۳۰) مسلمانوں سے کہو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی غض بصر وحفظ فرج کی تلقین کی گئی: ﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن﴾ (النور:۳۱) مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ اظہار زینت جو کہ برائی کی دعوت ہے اس سے روکا گیا ﴿ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾ (النور:۳۱) کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔

فحاشی کے سد باب کے لیے بیویوں وباندیوں کے سوا کسی سے خوش فعلی سے روکا، اللہ کا فرمان ہے: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون الا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم فانهم غير ملومين﴾ (المؤمنون:۱-۵) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے تو ایسے لوگوں پر ملامت نہیں کی جائے گی۔

پردہ کی اس قدر تاکید کی کہ جن لوگوں سے پردہ نہیں ۳/اوقات میں بلا اجازت گھروں میں ان کا داخلہ بھی ممنوع ہوا، فجر سے پہلے اور دوپہر میں اور عشاء کے بعد "ثلاث عورات لكم" (النور:۵۸) اس لیے کہ یہ تمہارے پردے اور خلوت کے اوقات ہیں۔

حیا کا خاتمہ صالحیت کا خاتمہ ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ کلام نبوت میں سے جن باتوں کا ادراک ہوا ان میں سے یہ بھی ہے کہ: "إذا لم تستحي فاصنع ما شئت" (البخاری:۳۴۸۴) کہ جب شرم وحیا نہ ہو تو جو چاہو سو کرو۔ اگر ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو معاشرہ کی صالحیت مستحکم ہوگی۔

اسلام کی نگاہ میں ذوق جمال کی آبیاری اور فارغ البالی ممنوع نہیں بلکہ وہ اسے بنظر استحسان دیکھتا ہے، جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے: ﴿قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده والطيبات من الرزق﴾ (الأعراف:۳۲) اے نبی کہہ دیجئے کہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے اسباب زینت کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا۔ لیکن آرٹ، کلچر، ادب اور فنون لطیفہ کے نام پر اشاعت فحش کی مذمت بھی کرتا ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة في الذين آمنوا لهم عذاب أليم في الدنيا والآخرة﴾ (النور:۱۹) جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

غرض اسلام کا نظام عفت وعصمت ادوار ثلاثہ بچپن جوانی اور بڑھاپا تینوں پر مشتمل ہے۔ اثرات صالحیت کو وسیع تر کرتے ہوئے اسلام نے خود پر دوسروں کو ترجیح دینے اور زائد از ضرورت مال کو فی سبیل اللہ لگا دینے کی ہدایت کی، تمام خوش اخلاقی کو اپنانے کا حکم دیا اور بداخلاقی سے روکا، مسکرات کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (المائدۃ: ۹۰) درحقیقت شراب، جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں اگر فلاح چاہتے ہو تو ان سے بالکل الگ رہو۔

سود کی جملہ اقسام کو حرام ٹھہراتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: "لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله وشاهده وكاتبه" (أبوداود: ۳۳۳۳) رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، اس پر گواہی دینے نیز لکھنے والے پر بھی لعنت بھیجی ہے۔ رشوت کی تمام ہی صورتیں نبی ﷺ کے فرمان کے بموجب باعث لعنت ہیں: "لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي" (أبوداود: ۳۵۸۰) رشوت دینے اور لینے والے پر نبی ﷺ لعنت بھیجتے ہیں۔ احکام کا نفاذ ہر کہ ومہ پر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے عدل وانصاف ومساوات کے پیش نظر چوری کے جرم میں بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کا ہاتھ کاٹا اور ارشاد فرمایا: "لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها" (بخاری: ۳۴۷۵، مسلم: ۴۴۱۰) فاطمہ بنت محمد بھی اگر چوری کریں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دوں۔

مغرب کی بے لگام آزادی وعیاشی، فحاشی اور عریانیت اور اباحیت پسندی کے غیر فطری تجربے کے نتیجے میں خاندانی اور سماجی فساد نظام جیسے سنگین مسائل صالحیت کے اسلامی نظام غض بصر، حفاظت ستر اور پردہ وحجاب کے اپنانے سے از خود حل ہو جائیں گے۔

افسوس کہ ہم ایک بہترین نظام حیات اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس کو مانتے بھی ہیں لیکن عملا اس کو معطل کر رہے ہیں۔

اس پرفتن دور میں اگر ہم اسلامی نظام حیات کو اپنی عملی زندگی نافذ کرنے کی توفیق سے بہرہ ور ہو گئے تو یہ ہماری نیک بختی اور سعادت مندی ہوگی، وباللہ التوفیق۔

☆☆☆

ڈاکٹر تقی الدین ہلالی اور عربی زبان وادب

تحریر: عبدالغفار سلفی ربنارس

ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ کا شمار ان نادرۂ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے جو بیک وقت ایک مخلص داعی بھی تھے اور ایک فرض شناس مدرس بھی، ایک ماہر ادیب وشاعر بھی تھے اور ایک اچھے مصنف بھی، عربی زبان وادب پر بھی اچھی دسترس رکھتے تھے اور علم حدیث سے بھی گہرا شغف تھا۔ زیر نظر مضمون میں ہم عربی زبان وادب میں ڈاکٹر ہلالی کی خدمات کا مختصر جائزہ لیں گے:

مختصر حالات زندگی:

ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی ولادت مراکش کے جنوبی حصے میں ''الفرخ'' نام کے ایک گاؤں میں ۱۳۱۱ھ میں ہوئی۔ ان کا گھرانہ علمی تھا۔ ان کے والد کا شمار ملک کے فقہاء میں ہوتا تھا۔ انھوں نے قرآن اپنے والد سے پڑھا اور بارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔ شیخ تندغی شنقیطی سے انھوں نے عربی زبان اور فقہ مالکی کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے مراکش کے مشہور شہر ''فاس'' (Fez) کے کئی جید علماء سے جیسے شیخ فاطمی الشراوی، شیخ محمد العربی العلوی، شیخ احمد سکیرج وغیرہ سے استفادہ کیا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ طلب علم کے لیے مصر گئے، ان کا ارادہ علم حدیث کو حاصل کرنا تھا، پہلے انھوں نے جامعہ ازہر میں داخلہ لیا، لیکن وہاں ان کی مراد پوری نہیں ہوئی، پھر وہ شیخ رشید رضا کے حلقے میں شامل ہوگئے اور وہیں سے ان کی فکر میں پختگی آئی اور تقلیدی رجحان کے بجائے تحقیقی رجحان نمودار ہوا۔

علم حدیث میں مزید مہارت حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر ہلالی ہندوستان تشریف لائے، یہاں انھوں نے صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ علامہ مبارکپوری نے آپکو سند اجازہ مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد ڈاکٹر ہلالی نے شیخ محمد بن حسین انصاری یمنی کے پاس قیام کیا، جو اس وقت ہندوستان میں مقیم تھے اور ان سے کتب ستہ کے منتخب ابواب پڑھے اور سند اجازہ حاصل کی۔ ہندوستان سے آپ عراق تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے شیخ محمد أمین شنقیطی سے استفادہ کیا۔ عراق میں تین سال کے قیام کے بعد آپ سعودی عرب تشریف لے گئے۔ شیخ رشید رضا نے شاہ عبدالعزیز کے پاس آپ کے سلسلے میں ایک سفارشی خط لکھا اور اس خط میں ڈاکٹر ہلالی کے متعلق لکھا:

"إن محمدا تقي الدين الهلالي المغربي أفضل من جاء كم من علماء الآفاق فأرجو أن تستفيدوا من علمه".

محمد تقی الدین ہلالی مغربی ان تمام علماء میں سب سے افضل ہیں جو آپ کے پاس دنیا بھر سے تشریف لائے ہیں۔ مجھے

امید ہے کہ آپ حضرات ان کے علم سے استفادہ کریں گے۔

چنانچہ آپ کے ذمہ مسجد نبوی میں تدریس کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور آپ نے دوسال تک یہ ذمہ داری بخوبی نبھائی۔ اس کے بعد آپ نے ایک سال مکہ میں المعہد العلمی السعودی کو اپنی خدمات دیں۔ آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے علاوہ بغداد یونیورسٹی اور جرمنی بون یونیورسٹی میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۴۰ء میں آپ نے اپنی Ph.D کا مقالہ پیش کیا جس کا موضوع تھا: "ترجمة مقدمة كتاب الجماهر من الجواهر مع تعليقات عليها" اس مقالہ میں آپ نے مستشرقین کے بہت سارے مزعومات کا پردہ چاک کیا۔ بیسیوں علماء کی موجودگی میں آپ کے مقالے کا مناقشہ ہوا اور آپ کو Ph.D کی ڈگری تفویض کی گئی۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے آپ کو جامعہ میں تدریسی خدمات کے لیے دعوت دی۔ آپ نے اس دعوت کو قبول کیا اور ۱۹۷۴ء تک جامعہ اسلامیہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر آپ دعوتی میدان میں اپنی خدمات دینے کے لیے مراکش لوٹ آئے اور وہیں ۲۲/جون ۱۹۸۷ء کو آپ کی وفات ہوئی۔(۱)

تصنیفات:

ڈاکٹر تقی الدین ہلالی نے مختلف ادوار میں کئی کتابیں تالیف فرمائیں، ان میں سے اہم کتابیں یہ ہیں:

۱– الزند الواري والبدر الساري في شرح صحيح البخاری (صرف پہلی جلد)
۲– الإلهام والإنعام في تفسير الأنعام
۳– الهداية الهادية للطائفة التجانية
٤– القاضي العدل في حكم البناء على القبور
٥– العلم المأثور والعلم المشهور واللواء المنشور في بدع القبور
٦– آل البيت ما لهم وما عليهم
۷– حاشية على كتاب التوحيد لمحمد بن عبد الوهاب
۸– حاشية على كشف الشبهات لمحمد بن عبد الوهاب
۹– الحسام الماحق لكل مشرك ومنافق
۱۰– دواء الشاكين وقامع المشككين في الرد على الملحدين
۱۱– فضل الكبير المتعالى (شعری دیوان)
۱۲– أسماء الله الحسنى (قصيده)

(۱) علامہ ہلالی کی زندگی کا یہ مختصر خاکہ (قدرے اختصار وتصرف کے ساتھ) آن لائن دائرۃ المعارف Wikipedia سے لیا گیا ہے۔

۱۳ – تقويم اللسانين

عربی زبان وادب پر خدمات:

ڈاکٹر ہلالی عربی زبان وادب پر زبردست عبور رکھتے تھے۔انھوں نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس اور سفر میں گزار دی۔اس دوران مختلف ممالک کے علماء ومشائخ سے استفادہ کیا اور اپنے علم سے دوسروں کو بھی سیراب کیا۔ان کے تلامذہ میں شیخ ابوالحسن علی ندویؒ ،مسعود عالم ندویؒ ،ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوریؒ جیسی عظیم شخصیات ہیں اور یہ سب کے سب بذات خود عربی زبان وادب میں زبردست مہارت رکھنے والے لوگ ہیں۔

ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران علامہ ہلالیؒ نے مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مطالبے پر اپنے تلمیذ رشید مولانا مسعود عالم ندوی کی مدد سے ایک عربی مجلّہ ''الضیاء'' نکالنا شروع کیا،اس مجلّے نے ہندوستان میں عربی صحافت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔علامہ ہلالی کی عربی زبان پر بہت گہری نظر تھی۔انھوں نے "ما وقع في القرآن بغير لغة العرب" کے نام سے ایک مختصر مگر جامع مقالہ بھی تحریر کیا تھا جس میں ان الفاظ قرآنی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جن کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ یہ الفاظ اصلاً غیر عربی ہیں۔(۳)

علامہ ہلالی کو شعر سے بھی لگاؤ تھا،انھوں نے "فضل الكبير المتعالى" کے نام سے ایک دیوان بھی چھوڑا ہے۔ "أسماء الله الحسنى" کے نام سے ایک طویل قصیدہ بھی تحریر کیا ہے،جس میں ۱۰۷ اشعار ہیں،علامہ نے اس قصیدے میں تمہیدی کلمات کے بعد اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر ایک شعر میں اللہ تعالی کے ۹۹ اسماء حسنی میں سے کوئی ایک نام مستعمل ہو۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

أنت الغفور فهب لي منك مغفرة لكل ذنب وهب لي أعظم النحل
ويا "شكور" اجلعني شاكرا أبدا لما مننت به وأطني سؤلي
وأعل قدري يا "علي" عندك ثـ ـم عند كل الورى من سافل وعلي (۴)

علامہ ہلالیؒ نے اپنے سفر اندلس کے بعد اہل اندلس کی یاد میں "من وحي الأندلس" کے نام سے ایک قصیدہ تحریر کیا اور اس قصیدے کو اپنی ایجاد کردہ ایک نئی بحر میں لکھا،اس قصیدے میں بھی علامہ ہلالی نے اپنی فصاحت وبلاغت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے اور الفاظ کے حسن انتخاب سے دل موہ لیا ہے،چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لما بدا لنا جمالكم أضحت قلوبنا أسرى الغرام

(۲) أعلام الأدب العربي في العصر الحديث،واضح رشید الندوی ص ۲۴۸۔
(۳) علامہ ہلالی کا یہ پر مغز مقالہ ان کے معتقدین ومحبین کی بنائی ہوئی ویب سائٹ alhilali.net پر دستیاب ہے۔
(۴) یہ پورا قصیدہ بھی سابقہ ویب سائٹ پر آن لائن موجود ہے اور یہ اشعار اسی جگہ سے لیے گئے ہیں۔

وانبعثت بهـــا مـــــودة تنمـــو وتزدهي على الدوام
قد طال هجركم وصدكم وما دثيـتـــم للمســتـــهام
ولم نــزل ننفــى بعهدكم وما رعيـتـــم لنـــا ذمام (۵)

علامہ ہلالی رحمہ اللہ کی عربی دانی اور زبان وادب پر ان کی مضبوط گرفت کا اعتراف عرب وعجم کے مختلف علماء نے کیا ہے۔ شیخ حماد الانصاری رحمہ اللہ علامہ ہلالیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وكان يعرف من اللغات اليهودية والألمانية والإنجليزية والأسبانية بجانب العربية بحيث لو كان في زمن الأصمعي لسلم له بأنه إمام في العربية". (۶)

آپ مختلف زبانوں جیسے یہودیوں کی زبان، جرمن زبان، انگریزی اور اسپینی زبان وغیرہ کی معرفت رکھتے تھے اور عربی تو ان کی ایسی تھی کہ اگر اصمعی کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی آپ کو عربی کا امام تسلیم کر لیتے''۔

علامہ ہلالی ابتداءً تصوف کے دلدادہ تھے اور سلسلۂ تجانیہ (جو بلاد مغرب میں رائج ہے) سے منسلک تھے، لیکن بعد میں آپ نے جب براہ راست کتاب وسنت کا مطالعہ کیا تو آپ ان سلاسل سے تائب ہو گئے اور مسلک سلف کو اپنا لیا، طریقۂ تجانیہ سے توبہ کرنے کے بعد آپ نے ایک تائیہ قصیدہ بھی لکھا تھا جس کے ابتدا کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خليلي عوجابي على كل ندوة بها قول الرسل يروي بقوة
ولا تقربـــا مجلـس الرأي إنه ضلال يحط لتابعيـــه بهوة
على مجمـــع فيـــه كتاب إلهنا يفســر تفسيرا بعلم وحكمة (۷)

مسلک سلف سے وابستہ ہونے کے بعد شیخ کو بہت ساری مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا اور طرح طرح کے طعن وتشنیع سے بھی آپ کو نوازا گیا۔ اس پس منظر میں بھی شیخ نے ایک بائیہ قصیدہ بعنوان "نسبوني إلى الوهاب" تحریر کیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ علامہ تقی الدین ہلالی کی پوری زندگی درس وتدریس اور مشاغل علمیہ سے عبارت ہے، بالخصوص انھوں نے ''لغۃ الضاد'' کی خدمت میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کیا۔ عربی زبان وادب سے متعلق ان کی خدمات کو ادب کا طالب علم کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

☆☆☆

(۵) "من وحي الأندلس" ابتداء کے ۴ اشعار۔
(۶) شیخ حماد الأنصاری کا یہ قول alhilali.net پر "قالوا عنه" کے تحت موجود ہے۔
(۷) "توبة الشيخ من الطريقة التجانية" دیکھئے: alhilali.net کا مرکزی صفحہ۔

علامہ ثناءاللہ امرتسری کی صحافتی خدمات

محمد مشتاق بن عبدالمنان
للت نارائن متھلا یونیورسیٹی دربھنگہ بہار

علامہ ثناءاللہ امرتسریؒ کہنہ مشق صحافی تھے، طالب علمی کے زمانے سے ہی صحافت وکتابت میں کافی انہماک رکھتے تھے، مافی ضمیر کو اردو قالب میں ڈھالنے کا سلیقہ قدرت الٰہی کی طرف سے وافر مقدار میں عنایت کیا گیا تھا، مشکل سے مشکل ترین مسائل اور باتوں کو سہل اور زود فہم بنا کر قارئین کے سامنے پیش کرنے کی اہلیت وقابلیت رکھتے تھے، حریف اور مخالف کو ایسے دلکش اور جاذب اسلوب سے جوابات دیتے تھے کہ انہیں سرخم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا، تحریرات وبیانات میں اس قدر شائستگی، ولطافت ونزاکت اور شیرینی وشگفتگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہوتی تھی کہ مخالفین بھی پڑھ کر داد تحسین دینے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے، نازیبا جملے وفقرے، اور ہتک آمیز باتوں کو نوک قلم پر لانے سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے اردو اشعار موقع بموقع ایسے طرز پر تحریر فرماتے تھے کہ اپنے مدعا ثابت کرنے اور منوانے میں وہ معاون ثابت ہوتے تھے، غرضیکہ آپ اردو ادب کے ماہر اور ممتاز ادیب تھے۔ سچ کہا ہے۔

علم کے میکدہ کا پیر مغاں ماہرین ادب کا تھا وہ امام

آپ نے اپنی حیات مستعار میں وقت کے تقاضے کے مطابق تین رسالوں میں اردو زبان وادب کی خدمات سرانجام دیئے اور اس کے علاوہ کئی خاص نمبر کے رسالے نکالے جنکی تفصیلی بیان مندرجہ ذیل ہے۔

اخبار اہل حدیث امرتسر:

علامہ ثناءاللہ امرتسریؒ نے ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' ۲۳ شعبان ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو امرتسر، پنجاب سے جاری کیا اور آپ نے اس اخبار میں بحیثیت مدیر چوالیس (۴۴) سال تک اردو زبان وادب کی عدیم المثال خدمات انجام دیئے [1] ہفتہ بھر جو کچھ قادیانی، عیسائی، بہائی اور غیر مسلموں وغیرہ حلقوں میں ہوتا تھا علامہ امرتسریؒ اہل حدیث کے صفحات میں اس کی قلعی کھول دیتے تھے، قادیانی مشن کے نام سے اس اخبار میں علامہ امرتسریؒ نے ایک مستقل سلسلہ قائم کر رکھا تھا، جس میں زیادہ تر آپ کے اپنے اور بعض اوقات دیگر علماء محققین کے اردو مضامین رد قادیانیت میں شائع ہوتے تھے۔

ہفت روزہ اہل حدیث کی عمر کے ابتدائی سال ایسے تھے کہ مرزا قادیانی زندہ تھے اور برصغیر میں طاعون کا وبا پھیلا ہوا

[1] مولانا ثناءاللہ امرتسری اور علمی وتصنیفی خدمات ص ۲۱۔ وعلامہ ثناءاللہ امرتسریؒ کون اور کیا تھے ص ۱۷

تھا جسے انہوں نے اپنا نشان قرار دے رکھا تھا، علامہ امرتسریؒ نے اخبار اہل حدیث کے ذریعہ مرزا قادیانی کے اس دعوی کا رد کیا اور عوام کو سمجھایا کہ طاعون کسی کا نشان نہیں ہے، اگر یہ نشان ہوتا تو قادیان میں تباہی کیوں مچاتا اور مرزائیوں کو کیوں مارتا؟ آپ کی اس فہم نے مرزا قادیانی کی زندگی میں اہل اسلام کو زبردست فائدہ پہنچایا اور اس سلسلے میں اہل حدیث میں آپکی تحریری خدمات مرزا صاحب کی موت کے بعد بھی جاری رہیں۔

غرضیکہ اخبار اہل حدیث کے ذریعہ آپ قادیانیوں سے برسر پیکار رہے اور آپ نے مرزا غلام احمد کی اس بھرپور انداز میں تردید کی کہ وہ چیلنج اٹھا اور اپنے اشتہار ''آخری فیصلہ'' کے ذریعہ اپنا مقدمہ اللہ تعالیٰ کے حضور لے جانے پر مجبور ہوگیا۔ مرزا غلام احمد اس اشتہاری دعا کے نتیجے میں ۱۹۰۸ء میں راہی ملک عدم ہوگیا۔ لیکن یہ اخبار اس کے بعد بھی اردو زبان وادب کی خدمات کے محاذ پر سرگرم رہا اور قادیانی مشن کے عنوان پر علامہ امرتسریؒ کی تحریرات قارئین کی ضیافت طبع کا باعث بنتی رہیں۔ [1]

علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ نے قادیانیوں کے علاوہ اخبار اہل حدیث کے صفحات میں اس دور کے دوسرے فتنوں کے خلاف گراں قدر اردو تحریرات چھوڑے ہیں، آریہ سماجیوں سے آپ کے مباحثے چلتے رہتے اور پادریوں کے خلاف بھی اردو نگارشات میں محاذ کھلا رہا، عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت اور اپنے خیالات ونظریات کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے مناظروں کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور نچلی و پسماندہ ذات کے غریب زدہ ہندو ایسے مناظروں سے متاثر ہوکر عیسائیت قبول کر لیتے تھے، نیز پڑھے لکھے مسلمان اور ہندو بھی عیسائیت کے حلقہ دام کا اسیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور عیسائی اخبارات میں اس کی تشہیر کی جاتی تھی، اس ماحول وظروف میں علامہ امرتسریؒ نے اخبار اہل حدیث کے ذریعہ گراں قدر کام سرانجام دیا۔

۱۹۲۲ء میں مرزا سلطان احمد مصطفیٰ گوگانی نے ''ہفوات المسلمین فی تفضیح سید المرسلین و تقبیح المؤمنین من الکتب المؤرخین والمفسرین والمحدثین''، مطبع نور المطابع سے شائع کی، ۸۸ صفحات کی اس کتاب میں امہات المؤمنین خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات مطہرہ پر نہایت گھٹیا اور دل آزار نشتر چلائے گئے تھے، علامہ امرتسریؒ نے قلم اٹھایا اور ''کلمات المؤمنین بجواب ہفوات المسلمین'' کے نام سے ایک سلسلہ مضامین کا اخبار اہل حدیث میں اُغاز کیا۔ اس کی پہلی قسط یکم ستمبر ۱۹۲۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ دوسری قسط ۸ر ستمبر ۱۹۲۲ء کے شمارے میں چھپی تو اس کا نام ''ضربات المؤمنین علی ہفوات المسلمین'' کر دیا۔ یہ سلسلہ وار مضمون ۳۳ قسطوں میں چلا اور آخری قسط مارچ ۱۹۲۸ء کے شمارے میں نکلی۔

ہفت روزہ ''آریہ گزٹ'' لاہور مسلمانوں کے عقائد ونظریات پر روز افزوں تنقید کرتا تھا، اس میں مہاشہ ناتھ جلال پوری کا قرآن کے خلاف ایک دل آزار مضمون ''تنقید القرآن'' کے عنوان سے قسط وار نکلنے لگا، مہاشہ نے یہ ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی کہ قرآن پاک غیر الہامی ہے، اور اللہ کا کلام نہیں، اس نے بعض سورتوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا، اس مضمون کی پہلی قسط ۱۲ر جون ۱۹۲۴ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔

[1] ملخص از تحریک ختم نبوت جلد سوم ص ۱۳۸۔ ۱۴۰ وعلامہ ثناءاللہ امرتسریؒ کون اور کیا تھے ص ۷۱-۷۲

علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ نے ''تائید القرآن بجواب تنقید القرآن'' کے زیر عنوان اس مضمون کا تعاقب کیا۔ پہلی قسط ۲۵؍جولائی ۱۹۲۴ء کے اخبار اہل حدیث میں شائع ہوئی، یہ سلسلہ چودہ اقساط میں ۲؍جنوری ۱۹۲۵ء تک چلتا رہا۔

علامہ امرتسریؒ نے اخبار اہل حدیث میں عیسائیوں کی تردید کا بھی محاذ سنبھالا اور اردو زبان وادب میں گراں قدر خدمات سرانجام دی۔ ۱۹۱۳ء میں پادری طامس ہاول کی کتاب ''اثبات کفارہ'' نولکشور پریس، لاہور سے طبع ہوکر شائع ہوئی، اس کتاب میں اسلام اور رسول ﷺ کی ذات اقدس پر رکیک اور دل آزار حملے کئے گئے تھے، علامہ امرتسریؒ نے اخبار اہل حدیث میں اس کتاب کے جواب میں ایک آرٹیکل شائع کیا جس کی وجہ سے فرنگی سرکار نے اخبار پر پابندی عائد کردی، علامہ امرتسریؒ فرماتے ہیں: ۱۹؍دسمبر ۱۹۱۳ء کا دن بھی اہل حدیث کی تاریخ میں یادگار رہنے کے قابل ہے جس کے بعد اہل حدیث تقریباً ساڑھے تین مہینوں تک حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح کنویں میں پڑا رہا۔

پھر پادری عبدالحق کی کتاب ''اثبات التثلیث'' منظر عام پر آگئی، پادری صاحب نے مسئلہ تثلیث منطق کی رو سے ثابت کیا تھا اور وہ اس کا جواب منطقی دلائل ہی سے چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ مسلمان اس فن کی گہرائی میں نہیں اترتے، علامہ ثناءاللہ امرتسریؒ نے اہل حدیث میں آٹھ اقساط میں ''اثبات التوحید بجواب اثبات التثلیث'' کے عنوان سے منطق کے فن ہی سے اس کا رد کیا، یہ مضمون ۱۵؍فروری ۱۹۲۶ء سے ۱۶؍اپریل ۱۹۲۶ء تک چلتا رہا۔

جنوری ۱۹۳۲ء میں لاہور سے ''المائدہ'' کے نام سے عیسائیوں نے ایک ماہنامہ کا اجراء کیا اس کے ایڈیٹر ایم۔اے خان تھے اس کی غرض وغایت تو وہی تھی جو دیگر عیسائی رسالوں کی تھی کہ مسلمانوں میں اسلام اور قرآن کی حقانیت اور صداقت پر شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں لیکن طریقۂ واردات ذرا مختلف تھا، انہوں نے مسلمانوں کو متاثر اور گمراہ کرنے کے لئے اس میں قرآن پاک کی تفسیر نویسی کا خاص اہتمام کیا، اس کے پہلے ہی شمارے میں پادری سلطان محمد پال کی تفسیر ''سلطان التفاسیر'' کی پہلی قسط شائع ہوئی۔ پھر باضابطہ پادری صاحب کی یہ تفسیر ہر ماہ ''المائدہ'' کے دو جزء یعنی سولہ صفحات میں قسط وار شائع ہونے لگی۔

۶؍مئی ۱۹۳۲ء کے اخبار اہل حدیث کے شمارے میں علامہ امرتسریؒ نے اس کا نوٹس لیا اور اہل حدیث میں اس کا جواب ''برہان التفاسیر برائے اصلاح سلطان التفاسیر'' کے عنوان سے ۳۶ قسطوں میں ۲۰؍جنوری ۱۹۳۳ء تک چلتا رہا، پادری صاحب کو ترکی بترکی جواب ملنا شروع ہوا تو وہ عاجز آکر سست پڑ گئے۔ اس کیفیت کا اظہار علامہ امرسریؒ کے قلم سے دیکھئے:

پادری صاحب سے ہمارا تصال ہونے کو ہے، آپ مہینہ میں صرف ایک جزء تفسیر دیتے ہیں اکتوبر کے ''المائدہ'' میں نصف جزء کر دیا، اس لئے ہم اپنے اور ناظرین کی طرف سے درخواست کرتے ہیں کہ عربی گھوڑا پیچھے آرہا ہے، افغانی گھوڑے کو ایڑ لگا کے تیز کیجئے، پادری صاحب نے اگر ہماری درخواست منظور کرکے فی رسالہ کم سے کم دو جزء کئے تو لاچار ہم

بجائے دوورق کے برہان کا ایک ورق دیں گے تاکہ وقفہ نہ ہوجائے۔

یادرہے کہ ''المائدہ'' ماہنامہ تھا اور اہل حدیث ہفت روزہ تھا، المائدہ کا سائز بھی اہل حدیث سے چھوٹا تھا، المائدہ میں سلطان التفاسیر کے سولہ صفحات شائع ہوتے تھے، اس دوران میں اہل حدیث کے چار شمارے نکلتے اور علامہ امرتسریؒ نے ہر شمارے میں برہان التفاسیر کے لئے دو دو ورق وقف کررکھے تھے، اس طرح المائدہ کے ایک ماہ کا جواب اہل حدیث کے چار شماروں میں نپٹ جاتا تھا۔

مارچ ۱۹۳۴ء میں پادری صاحب نے تفسیر نویسی پر از سرنو توجہ مبذول کی جس کا جواب اہل حدیث میں یکم جون ۱۹۳۴ء سے ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء تک علامہ امرتسریؒ نے دیا۔ یہ تفسیر ابھی سورہ بقرہ کے سولہویں رکوع تک پہنچی تھی کہ پادری صاحب اس شغل سے دستبردار ہوگئے اس طرح اہل حدیث میں بھی علامہ امرتسری کی تفسیر نویسی کا یہ سلسلہ خود بخود رک گیا۔ اہل حدیث میں مجموعی طور پر اس کی ۸۱ قسطیں شائع ہوئیں، علامہ امرتسریؒ اختتامی قسط میں اطلاع کے عنوان سے لکھتے ہیں:

پادری سلطان محمد خان نے دو مہینوں سے تفسیر کی اشاعت بند کررکھی ہے کیونکہ رسالہ کی اشاعت کم ہے۔ خرچ پورا نہیں ہوتا۔ آپ نے اعلان کیا تھا کہ مارچ، اپریل دو ماہ یوپی کا سفر کرکے رسالہ کی اشاعت بڑھائیں گے، اس لئے ہمارا بھی اعلان ہے کہ پادری صاحب نے اگر تفسیر کی دوبارہ اشاعت کی تو ہم بھی خدمت کو حاضر ہوجائیں گے۔ [۱]

غرضیکہ علامہ امرتسریؒ ممتاز اور فائق صحافی تھے، وقت کے تقاضے کے مطابق خامہ فرسائی کرتے تھے اور جہاں حریفوں کو دندان شکن اور مسکت جوابات عنایت فرماتے رہے وہیں اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت اور فروغ میں اخبار اہل حدیث کے ذریعہ اگست ۱۹۴۷ء تک سرگرم رہے، اخبار اہل حدیث کا آخری شمارہ ۱۳ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ اس اخبار کے سرورق پر یہ شعر لکھا ہوا ہوتا تھا:

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت دیکھو کسی کا قول وکردار
جب اصل ہے تو نقل کی کیا ہے یہاں وہم وخطا کا دخل کیا ہے [۲]

☆☆☆

[۱] تحریک ختم نبوت جلد سوم ص ۱۴۱۔۱۴۷ بحوالہ الاعتصام لاہور، ۲۱ رنومبر ۲۰۰۳ء و دسمبر ۲۰۰۳ء

[۲] مولانا ثناءاللہ امرتسری اور علمی وتصنیفی خدمات ص ۲۱ و جریدہ ترجمان جلد ۳۵ شمارہ ۱۰۸ اپریل ۲۰۱۵ء

بزم طلبہ

اشاعت اسلام میں میڈیا کا کردار

محمد نثار بن محمد یاسین

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ دعوت وتبلیغ اس کا اہم ترین عنصر ہے۔ ﴿فإنما عليك البلاغ وعلينا الحساب﴾ (الرعد:۴۰) آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے، حساب تو ہمارے ذمہ ہی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ کوہ صفا پر ایمان وتوحید کی دعوت دیتے ہیں، عکاظ جیسے میلہ میں اور حج کے موسم میں مختلف قبیلوں کے پاس جا کر حق کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے لیے اگر عبرانی زبان کی ضرورت پڑی تو زبان رسالت سے اس کو بھی سیکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ عجمیوں سے روابط کے لیے فارسی ورومی زبان کو ترجمان بنایا جاتا ہے۔ امراء وملوک کو دعوت دین کے لیے خطوط ومراسلات کو بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ غرض کہ نبی ﷺ نے اپنے دور کے ہر مفید ذرائع ابلاغ کو اپنا کر ہمارے لیے یہ نمونہ چھوڑا کہ اشاعت اسلام کے لیے ہر طرح کے جائز وسائل وذرائع کو اپنانا بے حد ضروری ہے۔ لہذا دور جدید کے نئے تقاضوں سے پہلو تہی کرنا منشائے نبوت کے خلاف ہے۔

چنانچہ اشاعت اسلام کے لیے میڈیا کا استعمال وقت کی اہم ضرورت ہے۔ کیوں کہ اس کی جادوئی طاقت اور تاثیر سے کسی کو انکار نہیں۔ حاخام یہودی کہتا ہے: ''اگر پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے ہم سونا کو اولین طاقت قرار دیتے ہیں تو صحافت کو دوسری طاقت سمجھنا چاہیے'' اور اسی طرح مقنّنہ، منتظمہ اور عدلیہ کے ساتھ صحافت (میڈیا) کو جمہوریت کا چوتھا ستون قرار دیا گیا ہے۔ اور جب نومسلم ولیم فرانس یوسف سے پوچھا گیا کہ اہل یورپ کو اسلام کی دعوت کیسے دی جائے تو ان کا جواب تھا: ''اہل مغرب کو مخاطب کرنے کے لیے میڈیا اور جدید ٹکنالوجی کو استعمال میں لانا بے حد ضروری ہے''۔

اسی لیے آج ضروری ہو گیا کہ ہم میڈیا سے بھی اسلام کی دعوت دیں اور پرنٹ والکٹرانک میڈیا دونوں کو بروئے کار لائیں۔

آیئے پہلے ہم پرنٹ میڈیا کے مفید استعمال کو جانتے ہیں۔ خطوط ومراسلات، مضامین ومقالات اور رسائل وجرائد کو زیر استعمال لا کر غیروں کو اسلام کی دعوت اور مسلم معاشرہ میں پائی جانے والی منکرات وسیئات سے اجتناب کی ترغیب دے کر دعوت کے کام کو بحسن وخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح کتاب، کتابچہ، پمفلٹ اور فولڈر کے ذریعہ روزمرہ کی زندگی میں پیش آمدہ حساس مسائل میں عوام کی رہنمائی

کی جاسکتی ہے۔اور کارڈ و ہینڈ بل کے ذریعہ کھانے پینے کے آداب، بول و براز کے آداب، جنازہ کی دعا اور دیگر چھوٹے چھوٹے مسائل کو چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرادیا جائے تو دعوت کا کام احسن اور موثر طریقے پر انجام پائے گا۔

اسی طرح پوسٹر، اسٹیکر، بینر، پروجیکٹر اور بلیک بورڈ پر اسلامی تعلیمات کو لکھ کر مسجدوں، ہوٹلوں، دینی وسماجی اداروں اور دیگر اجتماع وگذرگاہوں پر ان کو لگا کر دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو انجام دیا جاسکتا ہے۔

اب الکٹرانک میڈیا کے استعمال کو دیکھتے ہیں۔الکٹرانک میڈیا پرنٹ میڈیا سے کہیں زیادہ موثر ہے اور ہر کس وناکس کی زندگی کا جزء لاینفک بن چکا ہے، جن میں ریڈیو، ٹی وی، موبائل، کیسٹ اور انٹرنیٹ نمایاں ہیں، چنانچہ ریڈیو اور آن لائن ٹی وی پر قرآن وحدیث، سیرت وسوانح، عقائد، اخلاقیات ومعاملات، زراعت واقتصاد، حرام وحلال کی تعلیمات، بچوں کے تعلیمی وتربیتی پروگرام وکارٹون اور نوجوانوں کے مسائل کا حل اور ان کی شخصیت کو پروان چڑھانے والے پروگرام، خواتین کے معاملات اور ان کا حل اور بزرگوں کے مسائل پر مشتمل پروگرام کو تقریر، مباحثہ، سوال وجواب اور عملی صورت میں پیش کرکے دعوت کے کام کو بخوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح موبائل کے ذریعہ دینی تعلیمات کو ایس ایم ایس کرکے اور علما کے خطابات کو سینڈ کرکے ہم اس کا مفید استعمال کرسکتے ہیں اور معاشرتی، شہری اور حقوق ومعاملات وغیرہ کے موضوع پر علما کے خطاب کو ریکارڈ کرکے کیسٹ کی شکل دے کر دعوت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

الکٹرانک میڈیا میں سب سے اہم انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا ہے جو معلومات کا ایک طوفان ہے جس کے آگے بند باندھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔اشاعت اسلام کے لیے ہم واٹس اپ، فیس بک اور ٹیوٹر پر لوگوں کو اسلامی تعلیمات اور دین کی دعوت دے سکتے ہیں اور خود انٹرنیٹ پر ایسے ویب سائٹس تیار کیے جائیں جن سے عقائد، عبادات، معاملات اور حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات موجود ہوں۔اسی طرح ایسے ویب پیجز تیار کیے جائیں جن میں اسلام کے خلاف شبہات واعتراضات کا مسکت جواب ہو۔اسی طرح اچھے اور معیاری اسلامی ویب سائٹس کا قیام عمل میں لایا جائے۔غرض کہ میڈیا کے ذریعہ ہم اسلام کی اشاعت پوری دنیا میں بآسانی کرسکتے ہیں۔بس ضرورت ہے کہ اس کو ہم استعمال میں لائیں۔

اللہ ہمیں میڈیا کا مفید استعمال کرنے کی توفیق دے۔(آمین)

☆☆☆

اخبار جامعہ

استاذ محترم مولانا عبدالسلام مدنی صاحب کی تشریف آوری:

جامعہ سلفیہ کے سابق استاذ حدیث مولانا عبدالسلام مدنی صاحب بروز بدھ ۴؍نومبر ۲۰۱۵ء کو ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود صاحب کی دعوت پر جامعہ سلفیہ تشریف لائے، آپ نے دوران قیام دوروز متواتر بعد نماز عشاء طلباء جامعہ کو سیمینار ہال میں علم حدیث اور اس کے متعلقات پر خطاب فرمایا جس میں آپ نے زور دے کر یہ بات کہی کہ طلبا کے جامعہ سلفیہ حدیث اور اس کے علوم میں دیگر مدارس کے طلباء سے فائق رہتے ہیں۔ اس لیے طلباء کو اپنی یہ خصوصیت باقی رکھنی چاہیے، دلائل کا حفظ، فہم، استحضار، ان سے مسائل کا استنباط محدثین کی فقہ اور ان کا طرز استدلال یہ ایسے نکات ہیں جن پر طلباء کی خاص توجہ ہونی چاہیے۔

استاذ محترم نے دلنشیں انداز میں مثالیں دے کر اپنے موقف کو بیان کیا اور طلباء نے پوری دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ دوروز آپ کے خطاب سے استفادہ کیا

اللہ تعالی استاذ محترم کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور طالبان علوم نبوت کو آپ سے کسب فیض کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔

آپ نے ۶؍نومبر بروز جمعرات جامع مسجد اہل حدیث طیب شاہ مدن پورہ میں خطبۂ جمعہ دیا۔

جامعہ سلفیہ میں ششماہی امتحان:

جامعہ سلفیہ بنارس کا ششماہی امتحان ۲۲؍صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۵؍دسمبر ۲۰۱۵ء بروز سنیچر شروع ہوکر ۵؍ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍دسمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات ختم ہوگا، ان شاء اللہ۔ امتحان کی تیاری کے لیے مورخہ ۱۵؍صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸؍نومبر ۲۰۱۵ء سنیچر سے ۲۱؍ صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۴؍دسمبر ۲۰۱۵ء جمعہ تک اسباق بند رہیں گے۔ امتحان کی تفصیلی خبریں آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ان شاء اللہ)

جامعہ سلفیہ میں حفظ وتجوید کا دوسرا سالانہ مقابلہ:

سال گذشتہ کی طرح امسال بھی جامعہ میں حفظ قرآن وتجوید کا دوسرا انعامی سالانہ مقابلہ ۳۰، ۳۱ جنوری ۲۰۱۶ء بروز سنیچر واتوار منعقد ہوگا۔ یہ مقابلہ تین زمروں پر مشتمل ہوگا:

زمرہ اول:	حفظ قرآن مع تجوید	مکمل قرآن
زمرہ دوم:	حفظ قرآن مع تجوید	بیس پارہ
زمرہ سوم:	حفظ قرآن مع تجوید	دس پارہ

مقابلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلباء کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ اور سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کو حسب سابق مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے حفظ وتجوید کے بین الاقوامی مقابلہ میں حصہ لینے کے لیے منتخب کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

حرم مکہ میں اسمارٹ الیکٹرانک خدمات کا آغاز:

سعودی حکومت نے مکہ مکرمہ میں حجاج ومعتمرین کو بہتر خدمات اور سہولیات مہیا کرنے کے لیے جدید آلات اور انفارمیشن ٹکنالوجی سے استفادہ حاصل کرنے کا ایک نیا منصوبہ ترتیب دیا ہے۔ حرمین شریفین کے نگراں ادارے اور سعودی عرب میں کام کرنے والے ٹیلی کام کمپنی ''اتصالات'' نے مشترکہ طور پر حجاج ومعتمرین کو حرم شریف میں الیکٹرانک اسمارٹ سروس مہیا کرنے کے ایک نئے منصوبہ پر دستخط کیے ہیں۔

العربیہ ڈاٹ نیٹ نے عرب اخبار'' مکہ'' کے حوالے سے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ اسمارٹ الیکٹرانک سروسز کی مدد سے حرم کی حدود میں موجود کوئی بھی حاجی زائر یا معتمر اپنی موجودگی کے بارے میں احباب کو آگاہ کر سکے گا۔

اس کے ساتھ یہ سروس حرم میں حج وعمرہ کی مانیٹرنگ کرنے والے اداروں کے لیے مددگار ثابت ہوگی۔ (منصف آن لائن: ۲۰۱۵/۱۱/۲۴ء)

فلسطینی کم عمر طالبہ کو ڈاکٹر ہونے کا اعزاز:

ارض فلسطین سے تعلق رکھنے والی مسلم طالبہ ''اقبال الاسد'' کو دنیا کی کم عمر ترین ڈاکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہوگیا ہے، چنانچہ ان کا نام گنیز بک ولرڈ ریکارڈ میں مندرج ہو چکا ہے، انھوں نے بیس سال کی عمر میں میڈیکل کی تعلیم مکمل کر لی۔ بارہ سال کی عمر میں ہائی اسکول پاس کیا اور کلاس میں ٹاپ پوزیشن حاصل کی، جبکہ میڈیکل اسکول میں داخلہ کے لیے حیاتیاتی اور ریاضی کے مضامین میں مہارت بھی حاصل کی، نیز ۱۳ سال کی عمر میں اقبال الاسد نے لبنانی وزیر تعلیم کی مدد سے کوانیل یونیورسٹی کی قطر شاخ سے میڈیسین کی تعلیم کے لیے وظیفہ حاصل کیا۔ ۲۰۱۲ء میں اقبال الاسد بیس سال کی عمر میں نہ صرف کورنیل یونیورسٹی سے میڈیکل گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی بلکہ یونیورسٹی کی تاریخ میں سب سے کم عمر ڈاکٹر بن گئیں۔

اقبال کا خاندان دراصل فلسطین سے ہجرت کر کے لبنان آیا تھا، جہاں وہ بیکا ویلی کے ایک چھوٹے گاؤں بارالیاس میں پرورش پائیں اور نامساعد حالات اور غربت کو بہت قریب سے ملاحظہ کیا۔ (اردو نیوز مکہ: ۲۰۱۵/۱۱/۲۴ء)

علامہ اقبال کی نظم ''شکوہ جواب شکوہ'' کا انگریزی ترجمہ:

ممبئی: ڈاکٹر علامہ اقبال کی مشہور زمانہ نظم ''شکوہ جواب شکوہ'' کا ترجمہ کرتے ہوئے مشہور کنڑا اخبار وارتا بھارتی کے چیف ایڈیٹر عبدالسلام پتگے نے اسے انگریزی قالب میں ڈھالا ہے، اس انگریزی ترجمہ کی رسم اجراء دبئی کے ہوٹل کراؤن پلازہ میں انجام پذیر ہوئی۔ اہم بات یہ ہے کہ عبدالسلام صاحب کی یہ کتاب آئی بی ٹی ملیشیا کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ اور اب شارجہ انٹرنیشنل بک سنٹر میں دستیاب ہے۔

اس موقع پر بات کرتے ہوئے جناب عبدالسلام پتگے نے اردو زبان کی تاریخی اور ثقافتی حیثیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان سے علم، ثقافتی ورثہ اور امنگ وحوصلہ کے دروازے کھلتے ہیں، حالانکہ پچھلی دہائیوں میں کچھ تاریخی اور سیاسی حالات کی وجہ سے اس زبان کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ضرور ہوئی ہیں، مگر اردو کی شہرت اور مقبولیت میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ یہ زبان آپس میں ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس لیے مختلف طبقوں اور فرقوں کے لوگوں میں یہ مقبول ہے۔ (ساحل آن لائن: ۲۰۱۵/۱۱/۲۴ء)

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: موزوں (چرمی وغیر چرمی) پر مسح، مدت مسح، کیفیت مسح کی مدلل وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کی متواتر احادیث سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر کے دوران ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ نے پوچھا: "أمعك ماء؟ قلت نعم، فنزل عن راحلته، فمشى حتى توارى في سواد الليل، ثم جاء فأفرغت عليه من الإداوة، فغسل وجهه، وعليه جبة من صوف، فلم يستطع أن يخرج ذراعيه منها حتى أخرجهما من أسفل الجبة، فغسل ذراعيه، ومسح برأسه، ثم أهويت لأنزع خفيه، فقال: دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين ومسح عليهما" (صحیح بخاری: اللباس، باب لبس جبۃ الصوف فی الغزو، ح:۵۷۹۹، وصحیح مسلم، الطھارۃ، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ، حدیث:۲۷۴ واللفظ لہ)

کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ اپنی سواری سے اترے اور چلنے لگے، حتی کہ رات کے اندھرے میں چھپ گئے، پھر واپس آئے تو میں نے آپ (کے ہاتھوں) پر لوٹے سے پانی انڈیلا، پھر آپ نے اپنا چہرہ دھویا، آپ ایک اونی جبہ پہنے ہوئے تھے، لہذا آپ اس کی تنگ آستینوں میں سے اپنے ہاتھ نہ نکال سکے تو جبے کے نیچے سے نکالے، پھر انہیں دھویا اور اپنے سر کا مسح کیا، پھر میں جھکا تا کہ آپ کے موزے اتاروں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہیں رہنے دو، میں انہیں (اس وقت) پہنا تھا جبکہ پاؤں پاک تھے (میں باوضو تھا)، اور آپ نے ان پر مسح کیا''۔

عن همام بن الحارث قال: رأيت جرير بن عبد الله بال، ثم توضأ ومسح على خفيه، ثم قام فصلى، فسئل فقال: رأيت النبي صنع مثل هذا قال إبراهيم: فكان يعجبهم لأن جريرا كان من آخر مَن أسلم" (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الخفاف ح ۳۸۷، صحیح مسلم: الطہارۃ، باب المسح علی الخفین ح ۲۷۲)

یعنی حضرت ہمام بن حارث ؒ سے روایت ہے کہ میں نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پیشاب سے فارغ ہوئے تو وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، پھر اٹھے اور نماز پڑھنے لگے، ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے، آپ نے اسی طرح کیا تھا۔ (راوی حدیث) ابراہیم کہتے ہیں کہ انہیں (عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگردوں کو) یہ حدیث بہت پسند تھی، اس لیے کہ جریر بن عبداللہ ؓ آخری دور میں مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت ابو موسی اشعری ؓ سے روایت ہے کہ "أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين ....." (صحیح سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننھا، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والنعلین، ح ۵۶۰) یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کیا تو جرابوں پر مع جوتوں کے مسح فرمایا۔

اسی طرح ایک روایت حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ "أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين" (صحیح سنن ابی داؤد، باب المسح علی الجوربین، ح: ۱۵۹) یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کیا تو جرابوں پر مع جوتوں کے مسح فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ اگر کسی کا جوتا پورا بھرا ہوا (فل) ہو، جیسا کہ عموماً فوجیوں کا جوتا ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جوتا اتار کر موزوں پر مسح کرنا ہوگا۔

اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کے بہت سارے اصحاب کا صحیح سند سے جورب پر مسح کرنا ثابت ہے، چنانچہ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ "مسح على الجوربين علي بن أبي طالب، وابن مسعود، والبراء بن عازب، وأنس بن مالك، وأبوأمامة، وسهل بن سعد، وعمرو بن حريث، روى ذلك عن عمر بن الخطاب وابن عباس" (صحیح سنن ابی داؤد، باب المسح علی الجوربین)

حضرت ازرق بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بے وضو ہوئے تو وضو کرتے ہوئے ہاتھ منہ دھوئے پھر اون کی جرابوں پر مسح کیا، ہم نے ان سے عرض کیا کہ ان پر مسح کرنا جائز ہے؟ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں! یہ بھی موزے ہیں لیکن اون کے ہیں۔ (المحلی لابن حزم: ۸۵/۲، الکنی والأسماء للدولابی: ۱۸/۱)

حضرت انسؓ صحابی رسول اور خالص عربی الاصل ہیں، آپ خف کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ صرف چمڑے کا ہی نہیں ہوتا، بلکہ ہر اس چیز کو شامل ہے جو قدم کو چھپالے، آپ کی یہ وضاحت معنی ومفہوم کے اعتبار سے نہایت دقیق ہے، کیونکہ ان کے نزدیک لفظ جوربین لغوی معنی کے لحاظ سے خفین کے مدلول میں داخل ہیں، اور خفین پر مسح میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہذا جرابوں پر مسح میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

بہر حال حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (المحلی لابن حزم: ۸۴/۲، ۸۵، ۸۶ وغیرہ)

اوپر مذکور دلائل سے معلوم ہوا کہ خف اور جورب پر مسح کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس پر نبی کریم ﷺ نے، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی عمل کیا، اور یہی موقف علامہ ابن قدامہ (المغنی: ۳۷۴/۱)، علامہ ابن القیم (تہذیب السنن: ۱۲۳/۱)، شیخ ابن باز (فتاوی ابن باز مترجم: ۴۶/۱)، شیخ محمد بن صالح العثیمین (فتاوی شیخ محمد صالح العثیمین)، شیخ ابومحمد حافظ عبدالستار حماد (فتاوی اصحاب الحدیث)، شیخ محمد صبحی بن حسن حلاق (فقہ کتاب وسنت متعدد صفحات) وغیرہم کا بھی ہے۔

مدت مسح: مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن تین رات ہے۔ چنانچہ حضرت شریح بن ہانیؒ کہتے ہیں کہ: "أتيت عائشة أسألها عن المسح على الخفين فقالت: عليك بابن أبي طالب فسله، فإنه كان يسافر مع رسول الله ﷺ، فسألناه فقال: جعل رسول الله ﷺ ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم" (صحیح مسلم: الطہارۃ: باب التوقیت فی المسح علی الخفین ح: ۲۷۶) یعنی میں ام المومنین عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے موزوں پر مسح کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ابن

ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے اس سلسلہ میں معلوم کرو، کیونکہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات متعین فرمایا تھا۔

مدت مسح کے سلسلہ میں نمازوں کی تعداد کا اعتبار نہیں بلکہ وقت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی مقیم کے لیے چوبیس گھنٹے اور مسافر کے لیے تین دن تین رات یعنی بہتر گھنٹے ہوتے ہیں۔

مدت مسح کی ابتداء اس وقت ہوگی جب پہلی بار حدث کے بعد مسح کیا جائے گا۔ اس کی ابتداء نہ تو موزے پہننے کے وقت سے ہوگی اور نہ پہننے کے بعد بے وضو ہونے کے وقت سے، اس لیے شریعت میں مسح کا لفظ استعمال ہوا ہے اور مسح کا وجود اسی وقت ثابت ہوگا جب عملی طور پر مسح کا وجود ہوگا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب پہلی بار مسح شروع کیا جائے گا، جب مسح کی ابتداء کے بعد چوبیس گھنٹے پورے ہو جائیں گے تو مقیم کے لیے مسح کی مدت ختم ہو جائے گی اور جب بہتر گھنٹے پورے ہو جائیں گے تو مسافر کے لیے مسح کی مدت ختم ہو جائے گی۔

مثلا: اگر کسی شخص نے نماز مغرب کے لیے وضو کر کے موزہ پہن لیا، اسی وضوء سے عشاء کی نماز پڑھ لی اور نماز پڑھنے کے بعد موزہ پہن کر سو گیا پھر نماز فجر (۱۰:۵) کے لیے وضوء کیا اور موزہ پر مسح کیا تو یہ شخص اگلے دن فجر (۱۰:۵) تک موزے پر مسح کر سکتا ہے، اور یہ آخری وضوء جو مسح کے ساتھ کیا گیا وہ جب تک باقی رہے گا اسی وضوء سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ان باتوں کی تفصیلی معلومات کے لیے الشرح الممتع: ۱/۲۲۲-۲۲۸، للعلامہ محمد صالح العثیمین کا مطالعہ مفید ہوگا۔

کیفیت مسح: حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ "لو كان الدين بالرأي لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه، وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه" (صحیح سنن ابی داؤد، باب کیف المسح ح:۱۶۲، دار قطنی: ۱/۱۹۹، بیہقی: ۱/۲۹۲۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (تلخیص الحبیر: ۱/۲۸۲)

ترجمہ: اگر دین رائے اور قیاس پر مبنی ہوتا تو پھر موزوں کی نچلی سطح پر مسح اوپر کی بہ نسبت زیادہ قرین قیاس تھا۔ حالانکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو موزے کے بالائی حصے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

موزے کے اوپری حصے کے کتنے حصے پر مسح کیا جائے، اس سلسلہ میں فقہاء عظام اور علماء کرام کے مابین قدرے اختلاف ہے، تاہم اس میں راجح قول اور موقف یہ ہے کہ: موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں پانی سے تر کر کے انہیں پاؤں کی انگلیوں پر رکھا جائے، پھر انہیں پاؤں کے اوپر والے حصے پر پنڈلی تک پھیرا جائے۔ دونوں پیر پر ایک ایک مرتبہ مسح کیا جائے، اور مسح کرتے وقت ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رہیں۔ اگر ایک ہی ہاتھ سے مسح کر رہے ہیں تو دونوں مرتبہ الگ الگ پانی سے انگلیاں تر کریں۔ اور الگ الگ ہاتھوں سے یعنی دائیں پاؤں پر دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر بائیں ہاتھ سے مسح کر رہے ہیں تو ایسا کرنا بھی درست ہے۔

واللہ أعلم بالصواب

دار الإفتاء

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس